

کیا سیری کیا رہی



مکمل ناول

”آنکھیں پوری طرح کھلتی نہیں۔۔۔ کہ زبان فر فر چلنا شروع ہو جاتی ہے۔“ کوئل نے جھلا کر تکیہ اس کی کمر پہ مارا اور اٹھنے لگی۔

فرحان نے اس کا ہاتھ زور سے کھینچ کر اسے اپنے اوپر گرانے کی کوشش کی مگر وہ طرح دے گئی اور ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔

”اوفوہ! بس نام کی کوئل ہو۔“ وہ جھنجھلا تا ہوا اٹھ کر بیٹھ گیا۔

کوئل اب اس کے کپڑے وارڈروب سے نکال کر صوفے پہ پھیلا رہی تھی۔

”بس جان چھوڑو اب بستر کی اور۔۔۔“

”تمہاری پکڑوں۔“ فرحان نے اس کا جملہ پورا کیا۔

”فرحان! پلیز اٹھ جاؤ ناں۔۔۔ نو بجنے والے ہیں۔“

کوئل نے ناشتہ ٹیبل پر لگانے کے بعد کوئی تیسری بار لپے میں آکر اسے جھنجھوڑتے ہوئے جگانے کی کوشش کی۔

”چھی پریڈ لگوادیے ہو صبح صبح۔۔۔ اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر بھاگ بھاگ کر ہی میں آدھی رہ گئی ہوں۔“

”آدھی؟“ فرحان نے نیند سے بھری آنکھیں ذرا کھولیں اور خود پہ جھکے اس کے خوب صورت سراپے کو شرارتی انداز میں دیکھتے ہوئے کہا۔

”اگر ابھی بھی تم آدھی ہو تو تمہیں میرا شکر گزار ہونا چاہیے جو اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر بھاگ بھاگ کر تمہیں قابو میں رکھا ہوا ہے ورنہ تم تو ساہیوال کی بھینسوں کو بھی پیچھے چھوڑ دیتیں۔“

فرحان نے اس کا جملہ پورا کیا۔

کوئل نے اس کا جملہ پورا کیا۔

فرحان نے اس کا جملہ پورا کیا۔

کوئل نے اس کا جملہ پورا کیا۔

فرحان نے اس کا جملہ پورا کیا۔

کوئل نے اس کا جملہ پورا کیا۔

فرحان نے اس کا جملہ پورا کیا۔

کوئل نے اس کا جملہ پورا کیا۔



”میری نہیں اس واش روم کی اور تمہارا ریکارڈ ثابت کرتا ہے کہ واش روم کی جان تم آؤ گے گھنٹے سے پہلے نہیں چھوڑنے والے۔“

”ارے یار۔ آج تو مجھے شیو بھی کرنا ہے۔“

”یعنی پورا ایک گھنٹہ۔“ کوئل نے گہری سانس بھری اور باہر نکلنے کے لیے مڑی۔

”کہہ رہی تھی کہ وہ پوچھ رہا تھا۔“

”تمہارے لیے نیا ناشتا بنانے وہ ٹوسٹ اور انڈے تو ایک گھنٹے تک اکڑ کے اینٹ بن جائیں گے۔“

”تم میرے جاننے سے پہلے ناشتہ بناتی ہی کیوں ہو۔“

”اوہ ہاں۔ وہ ناشتہ ضائع نہ ہو جائے اس لیے پہلے تم وہ ٹھونسو گی۔ پھر میرا ساتھ دینے کے لیے دوسری بار ناشتہ کر کے صحت بناؤ گی۔ کیا یہ ابو اور امی کے ساتھ سات بجے بھی کچھ نہ کچھ کھا چکی ہو۔“

”بھئی ان کا ساتھ دینے کے لیے آخر سب کا خیال جو ہے سہیں۔“

اسے چڑاتا ہوا وہ فوراً ”واش روم کی طرف لپکا کیونکہ کوئل کا ہاتھ دوبارہ نیکے کی جانب بڑھتے دیکھ چکا تھا۔ ادھر ٹھک سے واش روم کا دروازہ بند ہوا“ ادھر تک دروازے سے لگ کر نیچے گرا۔

کوئل نے ایک نظربند روم کی ابتر ہوتی حالت کو دیکھا اور ناشتہ بعد میں تیار کرنے کا سوچتے ہوئے پہلے چیزیں سنبھالنے لگی۔ ویسے بھی وہ جانتی تھی کہ فرحان آؤ گے یون گھنٹے سے پہلے نکلنے والا نہیں۔ ہر بار اس کی عادت کے بارے میں جانتے ہوئے بھی وہ پونے نو بجے ہی اس عزم کے ساتھ ناشتہ تیار کرنا شروع کر دیتی تھی کہ کچھ بھی ہو آج تو وہ اسے نو بجے سے پہلے جگا کے ہی رہے گی۔

مگر دو سال ہونے کو آئے وہ کسی ایک صبح بھی اپنے

اس بار وہ اپنے میں کامیاب نہ ہو سکی تھی۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

”جی ماموں! بس ایک منٹ ابھی آئی۔“

”سیدھا جواب دو کہ ابھی اپنے میاں کو کھنکھان رہی ہوں۔“ فرحان نے سرگوشی کی توجہ سے گھور کر کہہ گئی۔

”کوئل بیٹا!“ حامد مسعود نے ایک بار پھر پکارا۔

”ایک تو تمہارے چاہنے والے میرے جیسے کچھ نہیں آنے دیتے۔ نہ بیوی نہ بیوی کی تھوڑی سی توجہ۔“ وہ آہیں بھرنے لگا۔

”بھئی اہلی وہ گئی ہو کوئل۔ یہ دیکھو گزیا نے میرے کپڑے کیلے کر دیے۔“ یہ سنتے ہی وہ فوراً گہری ہو گئی۔

”آ رہی تھی ماموں۔ وہ ذرا فرحان کو ناشتہ۔“

تیزی سے ان کی طرف بڑھتے ہوئے وہ بولی تھی۔

”فرحان صاحب اب ناشتہ فرما رہے ہیں؟“

باپ کا طنزیہ لہجہ سن کر فرحان نے جلدی سے چائے کا بڑا سا گھونٹ بھر کے ٹوسٹ اندر کیا اور چائے پیتے پیتے ہی اٹھ گیا۔

”جی۔ وہ دیر سے اٹھے تھے آج۔“

”آج؟“ اچھا تو جلدی کس دن اٹھا تھا وہ تاریخ بھی بتاؤ۔ میں کینڈر پر اس تاریخ کے گرد سنہری حاشیہ کھینچ دوں گا۔“

”اب بس بھی کریں۔ ایک تو اکیلے بچے پہ اتنی ذمہ داریاں اس پہ آپ کی ڈانٹ ڈپٹ۔ بیوی بچے والا ہے وہ۔ کچھ تو لحاظ کریں۔“

ہمیشہ کی طرح سعیدہ اس کی حمایتی بن کے میدان میں اتریں ماں جو ٹھہریں۔

”دس بچوں کا باپ بن جائے میرا تو بچہ ہی کہلائے گا۔“

”آپ طے کر لیں کہ آپ نے اسے کیا سمجھنا ہے“

”بچہ یا بڑا؟“ سعیدہ کون سا میاں سے ہار مان کر چپ بیٹھنے والی تھیں۔ ”اگر وہ ابھی تک آپ کی نظر میں بچہ ہے تو ضرورت کیا تھی ابھی سے اسے ان سب میں الجھانے کی۔ شادی کر دی کاروبار کی ساری کی ساری ذمہ داریاں سر پہ ڈال دیں۔ خود ہاتھ یہ ہاتھ رکھ کے

ایک طرف بیٹھ گئے کہ اب تم ہی مختار کل ہو اور اگر اسے برا سمجھ کے یہ سب سونپا ہے تو بڑے بیٹے والا مان لیں تو اسے برا ہی جانتا اور برا ہی بنانا چاہتا تھا تاکہ اس میں بڑے پن کا احساس ہو مگر وہ خود ہی آٹھویں کلاس پڑھنے والے لوندے کی عمر سے آگے نہیں بڑھتا تھا تو میں کیا کروں۔“

”بس بس رہنے دیجئے لازم ہے سراسر اس پہ۔“

ان دو سالوں میں اس نے کیا نہیں کیا؟ کتنا بدلا ہے خود کہ ایک زمانہ رشک کرتا ہے آپ پہ کیا سعادت مند اور ہونسا بیٹا پایا ہے مگر آپ بجائے اللہ کا شکر کرنے کے اور اس کی حوصلہ افزائی کے الٹا کتہ چینی کرتے رہتے ہیں۔ اپنی تعلیم ادھوری چھوڑ کے اپنے خواب ترک کر کے آپ کے کاروبار کو بخوبی سنبھالا۔ میدانوں میں کرکٹ کھیلنے والی عمر میں بچی کا باپ بنا اور ماشاء اللہ بیوی بچی دونوں کی ذمہ داری بھی خوبی سے نبھا رہا ہے اور کیا چاہیے آپ کو۔“

گزیا کی نیچی چیخ کرنے کے بعد اب اسے نیا فراک پہنائی ہوئی کوئل زیر لب مسکراتے ہوئے اپنے پاموں اور مہمانی کی یہ نوک جھونک دلچسپی سے سن رہی تھی جو تقریباً ”روز کا معمول تھا۔“

”اب وہ آپ کو اس بات کا یقین دلانے کے لیے کہ واقعی اس گھر کا بڑا بیٹا ہے اپنے منہ مسکراتے یہ

باندی تو نہیں لگا سکتا۔ آخر آپ مان کیوں نہیں لیتے کہ فرحان فرحان ہے عادل نہیں۔ آپ اسے عادل کی جگہ دینے پہ کیوں تلے بیٹھے ہیں۔“

کوئل کے لبوں پہ پھیلی دھیمی سی مسکراہٹ جیسے سم کر چھپ گئی۔ اس کے چہرے پہ ہر اس پھیل گیا۔ ”لا حول ولا۔ میں کیوں۔“ وہ برا مان گئے۔

”اور عادل کی جگہ وہ کیوں لے گا۔ عادل کی جگہ مرے سے ہے ہی نہیں۔ نہ اس گھر میں نہ ہمارے

لوں میں۔“

اس بار ہریات کا جواب مقابلے پہ وقتی سعیدہ بھی

چپ سی ہو گئیں۔ میاں کی نظر بچا کے انہوں نے اپنی آنکھوں کے تم گوشے دوپٹے سے مسکے۔

”کوئل گزیا کو سینے سے لگائے وہاں سے اٹھ گئی۔“

”کتنا اچھا لگ رہا ہے نا؟“ اس کے ہاتھوں میں ہاتھ دیے نرم نرم گھاس پہ ننگے پاؤں چلتے ہوئے کوئل نے پوچھا۔

وہ جمائیں پہ جمائیاں لیتا پتہ نہیں کون سا ریکارڈ توڑ رہا تھا۔

”آں۔ کیا۔؟“ ایک طویل جمائی سے فارغ ہو کر اس نے پوچھا اور پھر اگلی جمائی کے لیے منہ کھول لیا۔

”اوہو۔ کیا مصیبت ہے۔“ کوئل نے جھنجھلا کر اپنا ہاتھ چھڑایا اور زمین پہ بڑا پاپ اٹھا لیا۔

”اب اگر تم نے جمائی کی تو میں یہیں کھڑے کھڑے تمہیں سنا دوں گی اور وہ بھی ٹھنڈے بن جائی ہے۔“

”تھانید ارنی۔“ فرحان نے دانت کچکچا کے اس کے ہاتھ سے پاپ چھینتے ہوئے پرے پھینکا۔

”ایک تو صبح سویرے جگا دیا۔ پھر بھینٹ بکریوں۔“

بلکہ بکرے کی طرح ہانک کے یہاں لان میں لے آئیں۔ زبردستی واک کرائی جا رہی ہے اوپر سے فطری نظام میں بھی رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اب یہ جمائیاں آ رہی ہیں تو کیسے روکوں۔“

”اتنی خوب صورت سہانی صبح ہے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے نرم نرم گیلی گیلی گھاس کی ٹھنڈک کا احساس۔ ان سب کو محسوس کرو“ نیند خود بخود بھاگ جائے گی۔“

”مگر میں نیند کو محسوس کر رہا ہوں۔ نرم گرم بستر۔“ وہ مہلیس گھبل۔ وہ نیم تاریک کمرہ۔ ان سب کو محسوس کر رہا ہوں۔ اس لیے تمہاری یہ سہانی صبح بھاگتی نظر آ رہی ہے مجھے۔“

”بہت ہی بور ہو تم۔“ وہ مایوس ہو گئی۔

”آج تم مجھے ابو سے اور بھی زیادہ ڈانٹ پڑواؤ گی۔“

”میں ڈانٹ پڑواؤں گی؟ میں تو تمہیں ڈانٹ سے بچانے کے لیے یہ سب کر رہی ہوں۔ تاکہ تم صبح

جاگنے کے علوی ہو جاؤ اور وقت پہ آفس جانا سیکھو۔“
 ”مگر سوٹ ہارٹ! آج تو میں روز سے زیادہ لیٹ
 ہونے والا ہوں۔ دیکھو میں اٹھتا ہوں ساڑھے نو دس
 بجے تیار ہونا شروع ہوتا ہوں ساڑھے دس ناشتہ کرتا
 ہوں اور پونے گیارہ یا گیارہ بجے تک مجھے تھکے دے
 کر ابو کی جھڑکیوں کے سامنے میں رخصت کرتی ہوں۔
 مگر آج تم نے زبردستی مجھے ساڑھے چھ بجے صال ملا کر
 کھڑا کر دیا ہے۔ سات بجے اگر تم ترس کھا کر یا تنگ آ
 کر مجھے دوبارہ سونے کی اجازت دیتی ہو تو میں اپنا یہ
 آواٹھنڈہ تو لاؤں گا۔ وصول کروں گا۔ یعنی آؤ مجھے گھنٹے
 کی اضافی فینڈ اور ہر کام میں آؤ مجھے گھنٹے کی مزید تاخیر۔“
 ”یا اللہ۔“ کوئل نے اپنا سر تھام لیا۔ ”تم ایسا کرو
 سات بجنے کا انتظار مت کرو اور جاؤ۔ جا کر دوبارہ سو
 جاؤ۔“

تھک ہار کے اس نے ہاتھ جوڑے فرحان نے
 گھڑی میں وقت دیکھا۔

”چھ بج کر بیالیس منٹ۔ کمرے تک جاتے
 جاتے مزید تین منٹ۔ یعنی پندرہ منٹ تو پھر بھی زائد ہیں
 میرے پاس۔“

”تم کبھی نہیں سدھ سکتے فرحان۔“
 اسے خوشی خوشی لان سے گھر کے اندر رونی حصے کی
 طرف مڑتے دیکھ کر کوئل نے مایوسی سے کہا۔

”یہ بات ابو کو بھی بتاؤ۔ وہ بھی اس حقیقت کو جتنا
 جلدی سمجھ لیں اور تسلیم کر لیں اتنا اچھا ہے۔“
 جاتے جاتے گردن کھما کے اس نے کہا تو کوئل نہ
 چاہتے ہوئے بھی مسکرا دی۔

”یہ آج اتنی صبح۔ اور بھاگ کہاں رہا ہے؟“
 باہر آئی سعیدہ سے فرحان کی ٹکر ہوتے ہوتے بچی
 وہ سونے کے لیے اتنی جلدی میں تھا کہ وہ یہ سوال اس
 سے نہ کر سکی۔

”میں نے ایک کوشش کی تھی۔ ایک ناکام کوشش۔“
 ”اے صبح سویرے جاگنے کا علوی بنانے کی؟“
 اور پھر اس کے اثبات میں سر ہلانے پر مسکرائی۔

”رہنے دو۔ سوتے سوتے دیر بھی تو کتنی ہو جاتی
 ہے اسے۔ اور اسکول کلج تک زبردستی اسے جگا دیا
 کر مجھے یہ تجربہ ہو چکا ہے کہ یہ کلام کتنا مشکل ہے۔
 کیوں خود کو مشکل میں ڈالتی ہو اور اب کون سا اس
 وقت کلج یا اسکول پہنچنا ہوتا ہے۔ خیر سے اپنا کلام
 ہے۔ اپنا دفتر جب مرضی اٹھو اور جاؤ یہ تمہارے
 ماموں تو ایسے ہی چلاتے رہتے ہیں اس پر۔“
 ”آفس ٹائمنگ بے شک دس بجے ہے مگر میں تو
 فرحان کی صحت کے خیال سے یہ کہہ رہی تھی۔ سارا
 دن آفس میں بیٹھنے کا کام ہے۔ رات سات آٹھ بجے
 واپسی۔ بہت ہوا تو ڈرائیونگ کرتے ہوئے کوئل
 آؤٹنگ کا پروگرام اور پھر سونا۔ کوئی فزیکل ایکٹیو
 ویٹی تو ہونی چاہیے مائی۔ انسان فٹ رہتا ہے صبح
 اٹھنا مشکل لگتا ہے تو کم از کم اسے رات کے کھانے
 کے بعد ہی واک کرنا چاہیے مگر وہ ہے کہ رات ایک
 ڈیڑھ بجے تک لی وی کے سامنے سے نہیں ہلتا۔ کتنی
 بار میں نے کہا کہ کوئل یا کلب ہی جو ان کر لو۔ کوئل
 سو ٹیننگ، کوئل فیل ٹینس کوئل اور یہ مایا کی ویٹی کم
 از کم ہفتے میں دوبار ہی سہی۔“

دونوں ساس ہو صبح کی تازگی اپنے اندر اتارتے
 ہوئے گھر کے لان میں چل قدمی کر رہی تھیں۔

سعیدہ نے کوئل کی بات سنتے ہوئے اسے غور سے
 دیکھا۔

وہ اتنی گہری نظرس خود پہ محسوس کر کے چونکی۔
 ”میں نے کچھ غلط کہا مائی؟“

”نہیں۔ غلط نہیں کہا البتہ غلط کر ضرور رہی ہو۔“

”جی؟“ وہ قطعاً نہ سمجھی۔
 ”دیکھو کوئل! براست ماننا۔ میں سمجھتی ہوں کہ تم
 اسے بڑا ڈرا رہی ہو۔“

”میں مانتی ہوں مگر وہ کچھ اور سمجھتا ہو گا۔ دراصل
 تم اچھلنے میں ہی سہی مگر اس میں وہ خصوصیات دیکھنا
 چاہتی ہو جو عامل میں نہیں۔“
 کوئل سن ہو کر رہ گئی۔

اسے سنبھال سنبھال کر ہلکان ہو گئی تھی۔
 ”بس بھی کرو۔ اف دماغ پھٹ رہا ہے میرا اس
 کے بابجے سے۔ یہ رو کر کھلتی بھی نہیں ہے۔“ وہ
 خود رو ہانسی ہو رہی تھی۔

”دون بخار سے پھنکتی رہی ہے بچی۔ تم سے ذرا
 سارو نا برواشت نہیں ہو رہا۔“ سعیدہ تڑپ کے آگے

اس کے من من بھاری ہوتے قدموں نے آگے
 بڑھنے سے انکار کر دیا۔
 ”یہ بات میں نے محسوس کی ہے اس نے بھی کی ہو
 گی۔“ جمرا ہی! اس نے صفائی دینا چاہی مگر اسے الفاظ نہ
 مل سکے۔ سعیدہ اس کے شانے تھپکتے ہوئے کر اندر
 چلی گئیں۔

”بچے بچے سے نظر آتے ہیں سرکار میرے۔“
 فرحان نے اس کے چہرے پر گہری لٹ کو چھوتے
 ہوئے پوچھا۔ وہ بدستور کشنوز کے کور تبدیل کرنے
 میں مصروف رہی۔
 ”تمہیں پتہ ہے میں تمہیں سرکار کیوں کہتا ہوں
 اس لیے کہ تمہارے سامنے میرا وہی حال ہوتا ہے جو
 سرکار کے سامنے غریب عوام کا ہوتا ہے۔“ وہ ہمیشہ کی
 لہجہ حنّاق کے موڈ میں لگ رہا تھا۔
 ”کھانسی بندھی رہتی ہے میری ڈر کے مارے۔“
 ”اتنا ڈرتے ہو مجھ سے؟“ کوئل نے خشک لہجے میں
 پوچھا۔
 ”اس سے بھی کہیں زیادہ۔“
 ”عمر میں بہت بڑی ہوں تم سے۔ اس لیے؟“
 ذرا کی ذرا ماتھ روک کے اس نے پوچھا تو فرحان کی
 ماری غیر سنجیدگی ہو ا ہو گئی۔
 ”کوئل!“ لے بیٹھنی سے اس نے پکارا مگر وہ ان سنی
 کرتے ہوئے کشنوز اٹھا کر کمرے سے نکل گئی۔

گڑیا کی طبیعت صبح سے ٹھیک نہیں تھی۔ کوئل
 اسے سنبھال سنبھال کر ہلکان ہو گئی تھی۔
 ”بس بھی کرو۔ اف دماغ پھٹ رہا ہے میرا اس
 کے بابجے سے۔ یہ رو کر کھلتی بھی نہیں ہے۔“ وہ
 خود رو ہانسی ہو رہی تھی۔
 ”دون بخار سے پھنکتی رہی ہے بچی۔ تم سے ذرا
 سارو نا برواشت نہیں ہو رہا۔“ سعیدہ تڑپ کے آگے

اس کے من من بھاری ہوتے قدموں نے آگے
 بڑھنے سے انکار کر دیا۔
 ”یہ بات میں نے محسوس کی ہے اس نے بھی کی ہو
 گی۔“ جمرا ہی! اس نے صفائی دینا چاہی مگر اسے الفاظ نہ
 مل سکے۔ سعیدہ اس کے شانے تھپکتے ہوئے کر اندر
 چلی گئیں۔

”بچے بچے سے نظر آتے ہیں سرکار میرے۔“
 فرحان نے اس کے چہرے پر گہری لٹ کو چھوتے
 ہوئے پوچھا۔ وہ بدستور کشنوز کے کور تبدیل کرنے
 میں مصروف رہی۔
 ”تمہیں پتہ ہے میں تمہیں سرکار کیوں کہتا ہوں
 اس لیے کہ تمہارے سامنے میرا وہی حال ہوتا ہے جو
 سرکار کے سامنے غریب عوام کا ہوتا ہے۔“ وہ ہمیشہ کی
 لہجہ حنّاق کے موڈ میں لگ رہا تھا۔
 ”کھانسی بندھی رہتی ہے میری ڈر کے مارے۔“
 ”اتنا ڈرتے ہو مجھ سے؟“ کوئل نے خشک لہجے میں
 پوچھا۔
 ”اس سے بھی کہیں زیادہ۔“
 ”عمر میں بہت بڑی ہوں تم سے۔ اس لیے؟“
 ذرا کی ذرا ماتھ روک کے اس نے پوچھا تو فرحان کی
 ماری غیر سنجیدگی ہو ا ہو گئی۔
 ”کوئل!“ لے بیٹھنی سے اس نے پکارا مگر وہ ان سنی
 کرتے ہوئے کشنوز اٹھا کر کمرے سے نکل گئی۔

گڑیا کی طبیعت صبح سے ٹھیک نہیں تھی۔ کوئل
 اسے سنبھال سنبھال کر ہلکان ہو گئی تھی۔
 ”بس بھی کرو۔ اف دماغ پھٹ رہا ہے میرا اس
 کے بابجے سے۔ یہ رو کر کھلتی بھی نہیں ہے۔“ وہ
 خود رو ہانسی ہو رہی تھی۔
 ”دون بخار سے پھنکتی رہی ہے بچی۔ تم سے ذرا
 سارو نا برواشت نہیں ہو رہا۔“ سعیدہ تڑپ کے آگے

اس کے من من بھاری ہوتے قدموں نے آگے
 بڑھنے سے انکار کر دیا۔
 ”یہ بات میں نے محسوس کی ہے اس نے بھی کی ہو
 گی۔“ جمرا ہی! اس نے صفائی دینا چاہی مگر اسے الفاظ نہ
 مل سکے۔ سعیدہ اس کے شانے تھپکتے ہوئے کر اندر
 چلی گئیں۔

”بچے بچے سے نظر آتے ہیں سرکار میرے۔“
 فرحان نے اس کے چہرے پر گہری لٹ کو چھوتے
 ہوئے پوچھا۔ وہ بدستور کشنوز کے کور تبدیل کرنے
 میں مصروف رہی۔
 ”تمہیں پتہ ہے میں تمہیں سرکار کیوں کہتا ہوں
 اس لیے کہ تمہارے سامنے میرا وہی حال ہوتا ہے جو
 سرکار کے سامنے غریب عوام کا ہوتا ہے۔“ وہ ہمیشہ کی
 لہجہ حنّاق کے موڈ میں لگ رہا تھا۔
 ”کھانسی بندھی رہتی ہے میری ڈر کے مارے۔“
 ”اتنا ڈرتے ہو مجھ سے؟“ کوئل نے خشک لہجے میں
 پوچھا۔
 ”اس سے بھی کہیں زیادہ۔“
 ”عمر میں بہت بڑی ہوں تم سے۔ اس لیے؟“
 ذرا کی ذرا ماتھ روک کے اس نے پوچھا تو فرحان کی
 ماری غیر سنجیدگی ہو ا ہو گئی۔
 ”کوئل!“ لے بیٹھنی سے اس نے پکارا مگر وہ ان سنی
 کرتے ہوئے کشنوز اٹھا کر کمرے سے نکل گئی۔

گڑیا کی طبیعت صبح سے ٹھیک نہیں تھی۔ کوئل
 اسے سنبھال سنبھال کر ہلکان ہو گئی تھی۔
 ”بس بھی کرو۔ اف دماغ پھٹ رہا ہے میرا اس
 کے بابجے سے۔ یہ رو کر کھلتی بھی نہیں ہے۔“ وہ
 خود رو ہانسی ہو رہی تھی۔
 ”دون بخار سے پھنکتی رہی ہے بچی۔ تم سے ذرا
 سارو نا برواشت نہیں ہو رہا۔“ سعیدہ تڑپ کے آگے

اس کے من من بھاری ہوتے قدموں نے آگے
 بڑھنے سے انکار کر دیا۔
 ”یہ بات میں نے محسوس کی ہے اس نے بھی کی ہو
 گی۔“ جمرا ہی! اس نے صفائی دینا چاہی مگر اسے الفاظ نہ
 مل سکے۔ سعیدہ اس کے شانے تھپکتے ہوئے کر اندر
 چلی گئیں۔

”بچے بچے سے نظر آتے ہیں سرکار میرے۔“
 فرحان نے اس کے چہرے پر گہری لٹ کو چھوتے
 ہوئے پوچھا۔ وہ بدستور کشنوز کے کور تبدیل کرنے
 میں مصروف رہی۔
 ”تمہیں پتہ ہے میں تمہیں سرکار کیوں کہتا ہوں
 اس لیے کہ تمہارے سامنے میرا وہی حال ہوتا ہے جو
 سرکار کے سامنے غریب عوام کا ہوتا ہے۔“ وہ ہمیشہ کی
 لہجہ حنّاق کے موڈ میں لگ رہا تھا۔
 ”کھانسی بندھی رہتی ہے میری ڈر کے مارے۔“
 ”اتنا ڈرتے ہو مجھ سے؟“ کوئل نے خشک لہجے میں
 پوچھا۔
 ”اس سے بھی کہیں زیادہ۔“
 ”عمر میں بہت بڑی ہوں تم سے۔ اس لیے؟“
 ذرا کی ذرا ماتھ روک کے اس نے پوچھا تو فرحان کی
 ماری غیر سنجیدگی ہو ا ہو گئی۔
 ”کوئل!“ لے بیٹھنی سے اس نے پکارا مگر وہ ان سنی
 کرتے ہوئے کشنوز اٹھا کر کمرے سے نکل گئی۔

گڑیا کی طبیعت صبح سے ٹھیک نہیں تھی۔ کوئل
 اسے سنبھال سنبھال کر ہلکان ہو گئی تھی۔
 ”بس بھی کرو۔ اف دماغ پھٹ رہا ہے میرا اس
 کے بابجے سے۔ یہ رو کر کھلتی بھی نہیں ہے۔“ وہ
 خود رو ہانسی ہو رہی تھی۔
 ”دون بخار سے پھنکتی رہی ہے بچی۔ تم سے ذرا
 سارو نا برواشت نہیں ہو رہا۔“ سعیدہ تڑپ کے آگے

اس کے من من بھاری ہوتے قدموں نے آگے
 بڑھنے سے انکار کر دیا۔
 ”یہ بات میں نے محسوس کی ہے اس نے بھی کی ہو
 گی۔“ جمرا ہی! اس نے صفائی دینا چاہی مگر اسے الفاظ نہ
 مل سکے۔ سعیدہ اس کے شانے تھپکتے ہوئے کر اندر
 چلی گئیں۔

گڑیا کی طبیعت صبح سے ٹھیک نہیں تھی۔ کوئل
 اسے سنبھال سنبھال کر ہلکان ہو گئی تھی۔
 ”بس بھی کرو۔ اف دماغ پھٹ رہا ہے میرا اس
 کے بابجے سے۔ یہ رو کر کھلتی بھی نہیں ہے۔“ وہ
 خود رو ہانسی ہو رہی تھی۔
 ”دون بخار سے پھنکتی رہی ہے بچی۔ تم سے ذرا
 سارو نا برواشت نہیں ہو رہا۔“ سعیدہ تڑپ کے آگے

بڑھیں اور اس کے ہاتھ سے بچی کو لے لیا۔ حامد صاحب بھی اس کے رونے کی آواز سن کر بے چین ہو اٹھے اور اوپر آگئے۔ حالانکہ وہ میڈیٹیشن چڑھنے سے پرہیز ہی کیا کرتے تھے۔

”کیا ہوا گڑیا کو۔ اس بری طرح کیوں رو رہی ہے؟“

”ہونا کیا ہے؟“ آپ کی لاڈلی ہو چلا رہی تھی اس چھٹانک بھر کی بچی پہ اسے ڈانٹ رہی تھی وہ سہم کر رونے لگی۔

”کومل۔“ حامد صاحب نے غصے سے اپنی عزیز بھانجی اور اب چیتھی ہو کر دیکھا۔

”نہیں ماموں۔ یہ تو پہلے ہی رو رہی تھی اور وہ بھی بلا وجہ۔“

”بچے بلا وجہ ہی رویا کرتے ہیں۔“ سعیدہ نے اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔

”اے۔۔۔ لے لے۔۔۔ میلا بچہ۔۔۔ دلاوا کے باجھ آنے کے لیے رو رہا ہے۔“ میلی گڑیا، میلی بٹیا، میلی شہزادی، میلی رانی۔

وہ اسے بازوؤں میں جھلاتے ہوئے بہلانے لگے اور ان کی یہ باتیں یہ الفاظ کومل کو کس دور لے گئے۔

آج سے اٹھارہ بیس سال پہلے کے زمانے میں۔ جب وہ آٹھ یا نو برس کی تھی اور ماموں کی گود میں آئی تھی۔ وہ اسے ایسے ہی بہلایا کرتے تھے۔ ان ہی ناموں سے نیکار کرتے تھے اسے لگا جیسے آج بھی وہ سمٹ کر گڑیا کی صورت خود ماموں کے بازوؤں میں جھولے رہی ہو۔

”یہ دیکھو۔“ چپ کر گئی تھیں مگر وہ بڑی ظالم ہوں۔ بچی کو ہلکان کر کے رکھ دیا۔ کھوپڑی سے چپ ہوئی یا نہیں۔

خیال جیسے ٹوٹ سا گیا۔ ماموں اسے قہقہے سے دیکھتے ہوئے ڈانٹ رہے تھے۔

”مگر ادی۔“ وہ اور بھی تاراج ہوئے۔

”اب میں نے کیا کیا؟“ وہ بے چارگی سے کومل کو دیکھنے لگا۔

”میرا غصہ آپ پر نکلا ہے۔“

”کمل ہے،“ کبھی مجھ پر آیا غصہ تو تم پر نہیں نکلا کسی نے۔“ اسے فوراً شکایت ہوئی۔ ”وہی تم پر غصہ کس بات پر آیا۔ اور وہ بھی ابو کو؟ میں نہیں مانتا ای کی بات کر میں تو چلو ماننے والی بھی ہوتی مگر ابو۔۔۔ ناممکن۔“

”سب کچھ ممکن ہے۔ جب معاملہ ان کی پوتی کا ہو تو سب ممکن ہے۔“ دراصل بچھلے دو تین بخار رہنے کی وجہ سے گڑیا بہت چڑچی ہو رہی ہے۔ میری اپنی فینڈ بھی اس کی بیماری کی وجہ سے پوری نہیں ہوئی نہ آرام کا موقع مل سکا اس لیے تنگ آگئی اس کے بلا وجہ اور لگاتار رونے سے اس لیے میں نے ڈانٹ دیا بس پھر کیا تھا ماموں اور مائی دونوں آگے اپنی پوتی کی حمایت میں

”اب میں نے کیا کیا؟“ وہ بے چارگی سے کومل کو دیکھنے لگا۔

”میرا غصہ آپ پر نکلا ہے۔“

”کمل ہے،“ کبھی مجھ پر آیا غصہ تو تم پر نہیں نکلا کسی نے۔“ اسے فوراً شکایت ہوئی۔ ”وہی تم پر غصہ کس بات پر آیا۔ اور وہ بھی ابو کو؟ میں نہیں مانتا ای کی بات کر میں تو چلو ماننے والی بھی ہوتی مگر ابو۔۔۔ ناممکن۔“

”یہ دیکھو۔“ چپ کر گئی تھیں مگر وہ بڑی ظالم ہوں۔ بچی کو ہلکان کر کے رکھ دیا۔ کھوپڑی سے چپ ہوئی یا نہیں۔

خیال جیسے ٹوٹ سا گیا۔ ماموں اسے قہقہے سے دیکھتے ہوئے ڈانٹ رہے تھے۔

”مگر ادی۔“ وہ اور بھی تاراج ہوئے۔

”اب میں نے کیا کیا؟“ وہ بے چارگی سے کومل کو دیکھنے لگا۔

”میرا غصہ آپ پر نکلا ہے۔“

”کمل ہے،“ کبھی مجھ پر آیا غصہ تو تم پر نہیں نکلا کسی نے۔“ اسے فوراً شکایت ہوئی۔ ”وہی تم پر غصہ کس بات پر آیا۔ اور وہ بھی ابو کو؟ میں نہیں مانتا ای کی بات کر میں تو چلو ماننے والی بھی ہوتی مگر ابو۔۔۔ ناممکن۔“

”سب کچھ ممکن ہے۔ جب معاملہ ان کی پوتی کا ہو تو سب ممکن ہے۔“ دراصل بچھلے دو تین بخار رہنے کی وجہ سے گڑیا بہت چڑچی ہو رہی ہے۔ میری اپنی فینڈ بھی اس کی بیماری کی وجہ سے پوری نہیں ہوئی نہ آرام کا موقع مل سکا اس لیے تنگ آگئی اس کے بلا وجہ اور لگاتار رونے سے اس لیے میں نے ڈانٹ دیا بس پھر کیا تھا ماموں اور مائی دونوں آگے اپنی پوتی کی حمایت میں

”اب میں نے کیا کیا؟“ وہ بے چارگی سے کومل کو دیکھنے لگا۔

”میرا غصہ آپ پر نکلا ہے۔“

”کمل ہے،“ کبھی مجھ پر آیا غصہ تو تم پر نہیں نکلا کسی نے۔“ اسے فوراً شکایت ہوئی۔ ”وہی تم پر غصہ کس بات پر آیا۔ اور وہ بھی ابو کو؟ میں نہیں مانتا ای کی بات کر میں تو چلو ماننے والی بھی ہوتی مگر ابو۔۔۔ ناممکن۔“

”یہ دیکھو۔“ چپ کر گئی تھیں مگر وہ بڑی ظالم ہوں۔ بچی کو ہلکان کر کے رکھ دیا۔ کھوپڑی سے چپ ہوئی یا نہیں۔

خیال جیسے ٹوٹ سا گیا۔ ماموں اسے قہقہے سے دیکھتے ہوئے ڈانٹ رہے تھے۔

”مگر ادی۔“ وہ اور بھی تاراج ہوئے۔

”اب میں نے کیا کیا؟“ وہ بے چارگی سے کومل کو دیکھنے لگا۔

”میرا غصہ آپ پر نکلا ہے۔“

”کمل ہے،“ کبھی مجھ پر آیا غصہ تو تم پر نہیں نکلا کسی نے۔“ اسے فوراً شکایت ہوئی۔ ”وہی تم پر غصہ کس بات پر آیا۔ اور وہ بھی ابو کو؟ میں نہیں مانتا ای کی بات کر میں تو چلو ماننے والی بھی ہوتی مگر ابو۔۔۔ ناممکن۔“

”سب کچھ ممکن ہے۔ جب معاملہ ان کی پوتی کا ہو تو سب ممکن ہے۔“ دراصل بچھلے دو تین بخار رہنے کی وجہ سے گڑیا بہت چڑچی ہو رہی ہے۔ میری اپنی فینڈ بھی اس کی بیماری کی وجہ سے پوری نہیں ہوئی نہ آرام کا موقع مل سکا اس لیے تنگ آگئی اس کے بلا وجہ اور لگاتار رونے سے اس لیے میں نے ڈانٹ دیا بس پھر کیا تھا ماموں اور مائی دونوں آگے اپنی پوتی کی حمایت میں

”اب میں نے کیا کیا؟“ وہ بے چارگی سے کومل کو دیکھنے لگا۔

”میرا غصہ آپ پر نکلا ہے۔“

”کمل ہے،“ کبھی مجھ پر آیا غصہ تو تم پر نہیں نکلا کسی نے۔“ اسے فوراً شکایت ہوئی۔ ”وہی تم پر غصہ کس بات پر آیا۔ اور وہ بھی ابو کو؟ میں نہیں مانتا ای کی بات کر میں تو چلو ماننے والی بھی ہوتی مگر ابو۔۔۔ ناممکن۔“

”یہ دیکھو۔“ چپ کر گئی تھیں مگر وہ بڑی ظالم ہوں۔ بچی کو ہلکان کر کے رکھ دیا۔ کھوپڑی سے چپ ہوئی یا نہیں۔

خیال جیسے ٹوٹ سا گیا۔ ماموں اسے قہقہے سے دیکھتے ہوئے ڈانٹ رہے تھے۔

”مگر ادی۔“ وہ اور بھی تاراج ہوئے۔

”اب میں نے کیا کیا؟“ وہ بے چارگی سے کومل کو دیکھنے لگا۔

”میرا غصہ آپ پر نکلا ہے۔“

”کمل ہے،“ کبھی مجھ پر آیا غصہ تو تم پر نہیں نکلا کسی نے۔“ اسے فوراً شکایت ہوئی۔ ”وہی تم پر غصہ کس بات پر آیا۔ اور وہ بھی ابو کو؟ میں نہیں مانتا ای کی بات کر میں تو چلو ماننے والی بھی ہوتی مگر ابو۔۔۔ ناممکن۔“

”سب کچھ ممکن ہے۔ جب معاملہ ان کی پوتی کا ہو تو سب ممکن ہے۔“ دراصل بچھلے دو تین بخار رہنے کی وجہ سے گڑیا بہت چڑچی ہو رہی ہے۔ میری اپنی فینڈ بھی اس کی بیماری کی وجہ سے پوری نہیں ہوئی نہ آرام کا موقع مل سکا اس لیے تنگ آگئی اس کے بلا وجہ اور لگاتار رونے سے اس لیے میں نے ڈانٹ دیا بس پھر کیا تھا ماموں اور مائی دونوں آگے اپنی پوتی کی حمایت میں

”اب میں نے کیا کیا؟“ وہ بے چارگی سے کومل کو دیکھنے لگا۔

”میرا غصہ آپ پر نکلا ہے۔“

”کمل ہے،“ کبھی مجھ پر آیا غصہ تو تم پر نہیں نکلا کسی نے۔“ اسے فوراً شکایت ہوئی۔ ”وہی تم پر غصہ کس بات پر آیا۔ اور وہ بھی ابو کو؟ میں نہیں مانتا ای کی بات کر میں تو چلو ماننے والی بھی ہوتی مگر ابو۔۔۔ ناممکن۔“

رہا تھا کہ وہ اسے اپنے ساڑھے تین گھنٹوں کا کیا حساب دے۔ وہ تو عادل کو ایک نظر دیکھتے ہی سکتے ہیں آگنی تھی اور جب حامد مسعود نے سوئی ہوئی گڑیا اسے تھامنے کی کوشش کی تو وہ جیسے گہری نیند سے جاگی اور بیٹی کو سینے سے لگائے اسی وقت دھڑ دھڑ کرتی بیڑھیاں چلنے لگی تھیں۔

”فرحان۔ انہیں یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔“ اس کا لہجہ رست تھا۔ فرحان کی ہمت بند گئی۔

”بہر حال یہ ان کا گھر ہے۔“

”اور ہمارا؟ ہمارا بھی تو ہے۔“

”کوئل۔ وہ اپنے گھر واپس لوٹے ہیں۔ اپنے

مال باپ اور بھائی کے پاس اور بس۔“

اس بار وہ قدرے سخت لہجے میں لفظ پہ زور دے کر

بولی۔

”اس گھر میں تم تینوں کے علاوہ ایک اور جیتی جاگتی

ہستی بھی ہے فرحان۔“

وہ کتنی دیر اسے بے بسی سے دیکھتا رہا جیسے طے نہ کر

پا رہا ہو کہ اسے کیا جواب دے۔ شاید اس کے پاس جو

جواب تھا وہ اتنا عجیب تھا۔ اتنا سچا تھا کہ کوئل اس کی

تاب نہ لایا تھی۔ یا پھر شاید اس کے پاس ایسا بودا جواب

تھا جسے وہ چٹکیوں میں ازاد تھی۔ یا۔۔۔ یا پھر۔۔۔ اس

کے پاس سرے سے کوئی جواب ہی نہیں تھا۔

”تمہیں اپنا دل وسیع کرنا ہو گا کوئل۔“ بہت دیر بعد

وہ بولا بھی تو اتنا۔ اور کروٹ لے کر لیٹ گیا۔

کوئل دیر تک اس کی پشت کو گلہ آمیز نظروں سے

دیکھتی آنسو بہاتی رہی۔



وہ آٹھ برس کی تھی جب ایک حادثہ پیش آیا جس کے

مال باپ اور چھوٹے بھائی کو اس سے بچھین لیا۔ وہ

لوگ شارجہ میں رہتے تھے۔ پاکستان سے حامد مسعود

بہن بھائی کی جتنی باتیں کرتے اور کتنی ہی باتیں

کی بھانجی کو کیچے سے لگائے اور پھر عمر بھر وہ ان کے

کیچے کا لکڑی بنی رہی۔

”سعیدہ! اللہ نے شاید ہمیں اسی لیے بیٹی جیسی نعمت سے اب تک محروم رکھا تھا کہ ہم نے اپنے دل میں چھپی وہ ساری محبت وہ ساری شفقت جو بیٹی کے لیے بچا رکھی تھی، کوئل پہ نچھاور کر دیں۔“

”آپ ٹھیک کہتے ہیں حامد صاحب۔“

سعیدہ جو مزاج کی ذرا تیز شخص تھیں۔ صاف گو اور بحث

کی بھی شوقین کمزور کی بہت صاف اور ریا کاری سے

پاک تھیں۔ اور اس ننہ کی بیٹی کو انہوں نے کھلے دل

سے قبول کیا، جس سے شادی کے بعد ایک آدھ بار

سرسری سی ملاقات ہوئی تھی۔ حامد اور ان کی بیٹی زینا

کی شادی ایک ہی دن ہوئی تھی۔ شادی کے کچھ دن

بعد ہی زیبا شارجہ رخصت ہوئی تھیں سیاح سال پہلے

دو ہفتے کے لیے آئی تھیں۔ بڑا بیٹا جو ان کے ساتھ ہی

ابدی سفر پہ گیا۔ حامد مسعود کے بڑے بیٹے عادل کا ہم

عمر تھا پھر دو سال چھوٹی کوئل جو چچا اپنے نام جیسی تھی

چینی کی گڑیا جیسی۔۔۔ وہ فرحان سے تین سال بڑی تھی

۔ عمر کے تین سال کے فرق کے باوجود دونوں میں بچپن

سے ہی گاڑھی چھنے لگی۔ عادل ذرا خشک مزاج تھا۔

بچپن اور لڑکپن میں بھی اس پہ سنجیدگی چھائی رہتی تھی

جو نو جوانی تک اپنے عروج پہ پہنچ گئی۔ اسی وجہ سے ہنستے

کھیلتے رہنے والی کوئل اس سے خائف رہتی۔ البتہ

لاابالی سے فرحان کے ساتھ اس کی خوب ہنستی۔

جس کا کھلندرا بن عمر کے ساتھ ساتھ بجائے کم ہونے

کے برعکس جاری رہا تھا۔

”مجھے آپ کے بزنس میں کوئی دلچسپی نہیں۔

مجھے ایڈورٹائزنگ ایجنسی سے بہت اچھی آفر آئی ہے

اور میں اسے مس نہیں کرنا چاہتا۔“ تعلیم مکمل کرتے

ہی عادل نے ایک نیا شوہر چھوڑا۔

”کوئل بزنس کون سنبھالے گا؟“ حامد مسعود چلائے

تھے۔

”فرحان۔“ اس نے اطمینان سے جواب دیا۔

”کوئل کو تو بھی تمہاری طرح کو جواب دے دے تو

پھر؟“

”میں کیا کروں؟ کس کا منہ دیکھوں؟“

”کوئل اور اس کا راجہ تو ابھی سے انجینئرنگ کی طرف

”سعیدہ نے بھی میاں کے خدشے کو ہوا دی۔“

”میں کیا کروں۔۔۔ یہ میرا مسئلہ نہیں۔ وہ انجینئر

بنے چاہے ڈاکٹر اس کی مرضی۔ میں اس کے خواب

پرے کرنے کے لیے اپنی خواہش کا گلا کیوں گھونٹوں۔“

”وہی تک تو تمہاری ایسی کوئی خواہش نہیں تھی۔

نہ نے کبھی میرے بزنس کو سنبھالنے کے بارے میں

کوئی مایوس کن جواب نہیں دیا تھا۔ یہ ایک ایکی تم پہ

بشارت بنانے کا بھوت کیوں سوار ہو گیا ہے۔“

”میں نے مارکیٹنگ کی تعلیم آپ کے بڑا اور پاپ

پلے کے لیے نہیں حاصل کی۔“

”تمہارے دادا پردادا کا جیالیا ہوا کاروبار نہیں ہے

۔ میں نے دن رات محنت کر کے اسے کھڑا کیا ہے۔ یہ

ذاتی میرے برسوں کی جدوجہد کا نتیجہ ہے میں اسے

نسائی سے ختم ہو جانے دوں۔“

”میں نے کہا تھا یہ آپ کا مسئلہ ہے۔ ویسے بھی

میں آپ کو صرف اطلاع دے رہا ہوں کراچی جانے کی

اجازت نہیں مانگ رہا۔“

”تم بغیر اجازت اتنا برا قدم اٹھاؤ گے؟“

اس کے روکے جواب پہ بھی سعیدہ نے نہ جانے

کسی آس سے اس سے پوچھا۔

”کوئی غلط کام نہیں کرنے جا رہا۔ حلال رزق

کمانے جا رہا ہوں۔ جیسے ابو نے دادا جی کی پرچون کی

دکان چلانے کے بجائے اپنا کاروبار کرنے کا فیصلہ کیا تھا

حالانکہ ان کے خاندان میں دکانداری کے علاوہ کچھ اور

کرنے کا تصور بھی نہیں تھا۔ جب ابو اس دور میں اپنی

من مانی کر سکتے ہیں تو میں اب خود کو پابند کیاں کروں۔“

”ٹھیک ہے سعیدہ۔ جانے دو اسے۔ مگر اسے

یہ باور کرا دو کہ ضروری نہیں اس کی ہر بات مان لی

جائے۔ اس بات کو تو ہم نے مان لیا جس سے اس کی

خوشی پوری ہوئی۔ مگر وہ بات اب اسے ماننا ہوگی جس

سے اس پورے گھرانے کی خوشی وابستہ ہے۔“

”میں سمجھا نہیں ابو۔“

”تمہارے ابو اس نسبت کی بات کر رہے ہیں جو

عرصہ پہلے ہم نے تمہاری اور کوئل کی طے کی تھی۔“

سعیدہ نے مشکل آسان کی اور یوں اس گھر کے در

و دیوار سمیت خود کوئل نے یہ اعلان صاف صاف سنا

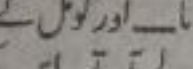
تھا۔ عادل کے انداز سے البتہ لگ رہا تھا وہ اس بات

سے انجان نہیں ہے۔

”مگر امی۔“

”ہر معاملے میں اگر مگر نہیں چلے گی عادل۔“

حامد صاحب نے فیصلہ کن انداز میں کہا تھا۔



اور پھر چار سال گزر گئے۔ عادل کراچی والی جاب

میں مگن تھا۔ مہینوں بعد سعیدہ کے بہت کہنے سننے پہ

چند دنوں کے لیے آتا۔ اور کوئل کے لیے یہ چند دن

جیسے زندگی میں بہار لے آتے۔ اس کے آنے کی خبر

سن کر وہ اس کے کمرے میں گھس جاتی۔ ہر بار نئے

سرے سے ساری آرائش تبدیل کرتی، گونا گونا چمکا کے

مرکا کے رکھ دیتی۔ اس کو بیٹھا پسند تھا۔ کتنی ہی سوٹ

ڈشیز بنا کے فریج میں رکھتی۔ ہر موسم کی نئی سوغاتیں

کئی طرح کے حلوائے، کھیر، مٹھائیاں اس کے آنے پہ

ہر چیز اس کی پسند کی پکتی آدھے سے زیادہ دن وہ پکین میں

گزار دیا کرتی۔ یونیورسٹی جانا، کسی سے بھی ملنا جلنا۔

دوپہر کو سونا سب ترک ہو جاتا۔ اس کی کوشش ہوتی

کہ عادل کا ہر کام وہ اپنے ہاتھ سے کرے۔ اس کے

کپڑے تک وہ خود استری کرتی۔ شاید یہ اپنے اور

اس کے اس نئے رشتے کا احساس تھا جو اسے یہ سب

کرنے پہ مجبور کرتا تھا۔ سعیدہ اسے عادل کے لیے اتنا

دیوانہ وار کام کرتے دیکھ کر نساں ہوتی رہتیں۔

”واہ حامد صاحب! زندگی میں پہلی بار آپ نے کوئی

ایسا کام بھی کیا ہے جس سے میرا بھلا ہو۔ ایسی بسو میں

کہیں سے بھی ڈھونڈ کے نہیں لاسکتی تھی اپنے بیٹے

کے لیے۔“

”بہو؟۔۔۔ میں تو بیٹی لایا تھا سعیدہ۔۔۔ بھول گئیں؟“

”بیٹی ہوتی تو رخصت کرنا پڑتا۔ بیٹیاں تو ہوتی ہی

ہیں۔“

مجھے پھر سچے نظر آتے ہیں۔ یہ من مانی کرنے والا سر پھرا ہے۔ کسی معصوم کا نام اس سے وابستہ مت کرو مگر تم نے مجھے قائل کر لیا۔ اور اب دیکھ لیا نتیجہ؟ سارے خاندان میں یہ بات پھیلانے کے بعد کہ کوئل ہماری بوسہ کی اب ہم کس منہ سے یہ اعلان کریں کہ ہمارے ناخلف بیٹے نے اس شادی سے انکار کر دیا ہے۔ کتنی بدنامی ہوگی اس بچی کی۔

”بس کریں حامد صاحب۔ میرا دل نہ جلائیں۔ پہلے ہی کم جلا ہوا نہیں ہے۔“ وہ رونے لگیں۔
”میں تو حقیقت بتا رہا ہوں۔ رونے سے کیا ہو گا۔ ہمیں ان حالات کا سامنا تو کرنا ہی ہو گا۔“

”کن حالات کی بات کر رہے ہیں آپ؟“
”اپنے بیٹے کی ناقربانی اور گستاخی کے دکھ سے باہر آ کر دیکھو سعیدہ! ہمیں صرف اس کے جانے کا دکھ رلا رہا ہے۔ یہ دیکھو کہ اس کا جانا کس کس گورالے والا ہے۔ کوئل پہلے بھی ہماری ذمہ داری تھی اب بھی ہے مگر اب یہ ذمہ داری میرے شانے جھکانے لگی ہے۔ میں کس منہ سے خاندان برادری میں اس کے لیے رشتے کی بات کروں۔“

”رشتہ؟“ سعیدہ کو دھچکا لگا۔
”تو کیا عادل کے نام پر عمر بھر کنوارے بٹھائے رکھنے کا ارادہ ہے؟ اب اس کی شادی کی عمر ہے۔ میں تو بہت پہلے اس کے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتا تھا مگر منگنی کے بعد چار سال تک اس نالائق نے ہمیں مختلف حیلے بہانوں سے ٹالے رکھا۔ بچی نے اس انتظار میں ایم ایس سی بھی کر لیا۔ وقت گزارنے کو اور دل بھلانے کو کلن میں جاب بھی کر لی۔ مگر اب جب وہ ساری بات ہی ختم کر گیا ہے تو مجھے نئے سرے سے کوئل کے بارے میں سوچنا ہو گا۔ اس ذلیل انسان نے ایک معصوم لڑکی کی زندگی میں جو زہر گھولا ہے وہ بہت مشکلات کھڑی کر دے والا ہے اس کی زندگی میں سے لوگ سو سو طرح کے سوال کریں گے۔ باہر رشتہ کریں گے تو یہ بتانا پڑے گا کہ اگر لڑکی اتنی ہی اچھی ہے تو تم نے اپنے بیٹے کے بارے میں کیوں نہیں سوچا باہر

رشتہ کیوں ڈھونڈ رہے ہیں اور خاندان والے جو سب جانتے ہیں۔ وہ یہ جاننا بھی چاہیں گے کہ عادل کے انکار کی اصل وجہ کیا ہے۔ کہیں کوئل کے کردار پر آج نہ آجائے۔ مجھے تو یہ فکر ہے کہ روز حساب میں کیا جواب دوں گا اللہ کے سامنے کہ ایک یتیم بچی تو میری ہی سگی بہن کا تخت جگر ہے میں اس کا معاملہ۔“

”کچھ نہیں ہو گا حامد صاحب۔“ سعیدہ نے آنسو صاف کرتے ہوئے ایک عزم سے کہا۔
”کوئل کی شادی ضرور ہوگی اور وہ ہمارے ہی گھر کی بوسہ کی ان شاء اللہ آپ میرا یقین رکھیں۔ میں آپ کو شرمندہ نہیں ہونے دوں گی۔ نہ خاندان والوں کے سامنے نہ اللہ کے حضور۔“



”میں دیکھ رہی ہوں جب سے تم کراچی آئے ہو پریشان سے ہو۔“ تانیہ نے اس کے ہمراہ ساحل سمندر پر ٹہکتے ہوئے پوچھا۔
”کیا اس کی وجہ وہی ہے۔ تمہاری کمزوری؟“

”اسے میں نے کبھی اتنی اہمیت نہیں دی کہ وہ مجھے پریشان کر سکے۔ عادل مسعود کو پریشان کرنا کسی عام آدمی کے بس کی بات نہیں یہ صرف وہی کر سکتا ہے جو عادل مسعود کے لیے خاص ہو۔“

”اوہ۔۔۔ تو تم میری وجہ سے پریشان ہو۔“ اس نے بڑے ناز سے اس کا بازو تھام کر اس سے اپنا سر ٹکاتے ہوئے کہا۔

”نہیں۔“ عادل کے مختصر جواب پر اس نے ایک جھٹکے سے اپنا سر اٹھا کے خفگی سے اسے دیکھا۔

وہ مسکرا دیا۔ ”کیونکہ تم میرے لیے خاص نہیں خاص تر ہو۔ عزیز نہیں عزیز تر ہو۔ تم میری پریشانیوں کی وجہ کبھی نہیں بن سکتیں ان کا دوا ہو تم۔“

”اوہ عادل۔۔۔ آئی لو۔“ وہ پھر سے اپنا آپ اس پہ مارنے لگی۔

اس کی محبتوں کے ایسے ہی بے ساختہ اور والہانہ طرز پر عادل فدا تھا۔ یہ ہی کیا۔ ایسی کون سی ادا ہے اس کی۔ جس پر وہ فدا نہیں تھا۔ اس کا روز قدح اس کا جیسے سا فخر اور اس دلکش توبہ شکن فکروں کے شانلش اور ماڈرن ڈریسز اس کی اعتبار اہانت بولڈ نیس۔ براعت اور چھانچانے والی صورت اور اس کا قابل رشک چھل پیکر اور توند اس صلیب اور اس کی جگہ کی اونر کی بیٹی جس کا وہ ایک بڑے بڑے گھٹنے میں پستیس ہزار ماہانہ پانے کا ملازم تھا۔ محض تیس پستیس ہزار ماہانہ پانے کا ملازم جس کا دکاندار خاندانی پس منظر رکھنے والا ملل اس باپ شاید کتنے میں یا پھر بقول اس کے اپنی محنت اور دیانت کی وجہ سے ترقی کر کے اپنے دیاس کے لوگوں سے کچھ اوپر ضرور آگیا تھا مگر ابھی مقام سے بہت نیچے تھا جہاں عادل پہنچنا چاہتا تھا یہ بھی طریقے سے چاہے محنت سے چاہے تقدیر کی ہاں سے چاہے کسی کے کاندھوں پر سوار ہو کے۔ تقدیر کی فریبی تھی کہ اسے تانیہ کے کاندھے پر سوار بھی کر لیا تھا۔ اب آخری کلام اس کے کرنے کے لیے رہ گیا تھا اور وہ تھا محنت۔ سو وہ کر رہا تھا۔

وہ تانیہ سے یہ ثابت کرنے کے لیے کڑی محنت کر رہا تھا اس کے لیے عادل مسعود سے بہتر کوئی شخص ہو نہیں سکتا۔

”پھر تم اتنے ڈپر سڈ کیوں لگ رہے ہو؟“
”ڈپر سڈ نہیں۔ شاید بس یونی۔“

اب وہ اسے کیا بتاتا۔ کہ کوئل سے شادی کرنے سے بچنے کے لیے وہ اپنے گھر میں ایک بنگلہ بنا کر آیا تھا۔ ماں باپ کے سامنے تن کر دے وہ جواب بھی دے رہا تھا اور یہ باور بھی کرا آیا تھا کہ اس سے کسی قسم کے بھوتے یا قربانی کی امید نہ رکھی جائے مگر ایسا کرنے کے بعد مسلسل اس کے دل کو ایک خلش نے گھیرا ہوا تھا یہ خلش کوئل کے حوالے سے نہیں تھی مگر اپنی اس کے حوالے سے ضرور تھی۔ وہ کتنا بھی اکھر خود

پسند اور سر پھرا سہی مگر گھر کا ماحول ایسا نہیں تھا کہ وہ اپنے بیٹوں کے ساتھ بد زبانی کرنے کا عادی رہا ہو۔ اس نے جو کیا وہ اس کے مزاج اور فطرت کے عین مطابق تھا مگر تربیت کی سختی نے اسے اس کی عادت اور معمول نہ بننے دیا تھا۔ اس پر اس کے کراچی آ جانے کے پانچویں دن بھی ”اب تک گھر سے کوئی فون نہ آیا تھا جس سے ان کی شدید ناراضی عیاں ہو رہی تھی۔ خود فون کرنے کی اس کی ہمت نہ ہو رہی تھی۔ اسی کشمکش اور ندامت تلے دبے ہونے کی وجہ سے وہ تانیہ کے گرد ویسے پروانہ وار شمار نہ ہو رہا تھا جیسے ہوا کرتا تھا۔ اور تانیہ کو یہ بات بری طرح کھل رہی تھی۔

”کہیں تم اپنے فیصلے پر پچھتا تو نہیں رہے عادل؟“
”کیا تم ایسی چیز ہو تانیہ! جسے پا کر کوئی پچھتاے؟“
اس نے انسا سوال کیا جسے سن کر تانیہ کی آنکھوں میں ایک چمک لہرائی۔

”شاید کوئی ایسا ہو جسے کھو کر تم پچھتا رہے ہو؟“
اس نے پھر بھی ہوا میں تیر چلایا۔ حالانکہ وہ جانتی تھی کہ عادل اس کی طلب میں اتنا دھنسن چکا ہے کہ اب کوئی اور چیز اس طلب کی شدت کو کم نہیں کر سکتی مگر اس یقین کے ساتھ بھی وہ بار بار اس کی زبان سے اپنی اہمیت کا اقرار سننا چاہتی تھی۔

اس سوال کے جواب میں عادل نے ایک قہقہہ لگایا۔

”کوئی ایسا ضرور ہے جس سے چھٹکارا پا کے میں خود کو بٹا پھلکا محسوس کر رہا ہوں۔“

اس نے تانیہ کا ہاتھ پر جوش انداز میں تھام کر اسے یقین دلایا۔ اسی وقت اس کی جیب میں رکھا موبائل فون بج اٹھا۔

”یہی عادل! کتنی بار کہا ہے کہ میرے ساتھ ہوتے ہو تو اسے آف رکھا کرو۔“

اس بار تانیہ نے کسی محبوبہ کے سے ناز و ادا سے بھرپور لہجے کے بجائے کسی باس کی سی رعونت کے ساتھ کہا تو وہ جو اس کا ہاتھ اپنے لبوں سے لگا کر اسے اپنی وفا کا یقین دلانے جا رہا تھا گڑبڑا گیا۔

رکھا۔

”تم نے یہ اطلاع تو دے دی ہوگی کہ اس سنڈے کو ہمارا نکاح ہو رہا ہے؟“
اس کے جتانے پر وہ خالی خالی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

”تمہیں انہیں انوائٹ کرنا چاہیے تھا عادل۔“
آفٹر آل وہ تمہارے پیرئس ہیں۔ اب یہ ان کی مرضی کہ وہ آتے یا نہ آتے۔“
”تانیہ۔۔۔ میں۔“ اس کے خشک ہوتے لبوں سے بمشکل نکلا تھا۔

”میں۔۔۔ مجھے آج ہی ابھی لاہور جانا ہوگا۔“
”کیا؟“ وہ حیرت سے چلا اٹھی۔

”عادل۔۔۔ تین دن بعد سنڈے ہے۔ ہمارا نکاح ہے اس دن‘ نکاح۔۔۔ انڈر اسٹینڈ؟ شادی۔۔۔ امین کرمانی کی بیٹی ہوں میں سارے شہر کو خبر ہے اس بات کی اور تم کہہ رہے ہو کہ۔۔۔“

”نکاح اسی دن ہوگا تانیہ! بلیوی۔ میں تاریخ آگے کرنے کے بارے میں نہیں کہہ رہا۔۔۔ میں کل رات کو ہی واپس آ جاؤں گا۔“

”ایسا کون سا ضروری کام ہے؟ کون سی افتادوث پڑی ہے تمہارے گھر پہ جو۔۔۔“
”غور سے اس کی اڑی اڑی رنگت دیکھی اور کسی مصلحت کے تحت لہجہ ذرا سا نرم کر کے پوچھنے لگی۔

”سب ٹھیک تو ہے ناں۔۔۔ تمہارے پیرئس؟ آئی میں۔۔۔“ اس نے قدرے مہذب سی گالی دل ہی دل میں ان ٹڈل کلاس ماں باپ کو دی جنہیں اور کچھ نہیں سوچتا تو آخری حربے کے طور پر خود کو موت کے منہ میں دھکیل کر اولاد کو ملیک میل کرنے لگتے ہیں۔

”کیس دل کا دورہ نہ پڑ گیا ہو اس کے ماں یا باپ کو؟“
اس نے کوفت سے سوچا مگر عادل کے جواب نے یہ اندیشہ بھی دھو ڈالا۔

”ہاں۔۔۔ وہ ٹھیک ہیں۔“

”تو پھر۔۔۔“ وہ دوبارہ پھنکاری۔ ”کیس تمہاری اس کنزن نے تو زہر نہیں کھالیا؟ اگر ایسا ہے بھی تو تم وہ

”پتہ نہیں آج کیسے آن رہ گیا۔۔۔ ہمیشہ تو میں۔“
وضاحت دیتے ہوئے وہ فون آف کرنے ہی والا تھا کہ اسکرین پہ گھر کا نمبر دیکھ کر چونک گیا۔
”کیا ہوا؟“ اسے فون پہ نظریں جمائے تذبذب کے عالم میں کھڑے دیکھ کر تانیہ نے پوچھا۔
”گھر سے فون ہے۔“

وہ ایک سلگتی نظر اس پہ ڈال کے اپنا ہاتھ آہستگی سے اس کے ہاتھ سے چھڑائی ذرا ہٹ کے کھڑی ہو گئی۔

”شاید امی کا ہے۔“ وہ اجازت طلب نظروں سے دیکھتا اسے کہہ رہا تھا۔

”ہاں تو کہو بات۔۔۔ کس نے روکا ہے۔“ وہ ست روی سے آگے چلنے لگی۔

”ہیلو۔“ فون کان سے لگانے کے بعد بھی وہ دم ہلاتا اس کے پیچھے پیچھے چلنے سے باز نہ رہ سکا۔
”جی امی۔“

اتنے دنوں بعد گھر سے فون آنا ایک خوش کن احساس تھا۔ ”یعنی اب بھی دلوں میں گنجائش باقی ہے۔“
شاید امی نے یہ بتانے کے لیے فون کیا ہو کہ وہ میری خواہش کے آگے ہار مان گئی ہیں اور انہوں نے ابو کو راضی کر لیا ہے کہ وہ خوشی خوشی میری۔۔۔“

وہ خوش قسمی کے پل باندھ رہا تھا جب دوسری جانب سے امی نے اسے ایک ایسی اطلاع دی کہ وہ حیرت کا اظہار تک کرنا بھول گیا۔ اس کے قدم خود بخود ٹھہر گئے۔

تانیہ جو بظاہر لا پرواہی سے آگے آگے چل رہی تھی اس کی خاموشی اور رکنا محسوس کر کے ٹھٹکی اور پلٹ کر دیکھا۔ وہ چہرے پہ عجیب سا تاثر لیے جما کھڑا تھا

”کیا ہوا عادل؟“ عادل کے تاثرات اسے کسی غیر معمولی بات کا احساس دلا رہے تھے۔ ”کیا کہہ رہی ہیں؟“

عادل چونکا۔ اس نے دھیان دیا۔ فون کب کا بند ہو چکا تھا۔ اس نے اپنی جیب میں

انسان نہیں ہو جس کے بغیر اس قبر میں نہ اترا جا سکے۔

عادل نے پریشانی سے اپنا ماتھا مسلا۔ اب وہ اسے کیا بتانا کہ۔

”تانیہ۔ پلیز میرا یقین کرو۔ میں آجائوں گا کل رات ہی آجاؤں گا۔ مجھے ایک بار وہاں جانے دو۔ ایک مسئلہ نمٹنا ہے۔ فارغ ہوتے ہی نکل آؤں گا وہاں سے اور تمہاری قسم میرے جانے یا نہ جانے کا کوئل سے کوئی تعلق نہیں۔ میں صرف اپنی ماں کے لیے وہاں جا رہا ہوں۔“

کسی نہ کسی طرح ہاتھ پیر جوڑ کے وہ تانیہ سے ایک دن کی چھٹی لینے میں کامیاب ہوئی گیا۔

”مجھے حیرت ہو رہی ہے امی کہ ابونے یہ فیصلہ کیسے کیا؟“ وہ جب سے آیا تھا سچ و تاب کھارہا تھا۔

”تمہاری وجہ سے۔“

”میری وجہ سے؟“ وہ پلٹا۔

”ہاں۔ کیونکہ تمہارے باپ کا خیال ہے کہ کوئل سے تمہاری شادی کا خیال سب سے پہلے میرے دل میں آیا تھا۔ یہ میری خواہش تھی اس لیے اس کے نتیجے میں کھڑے ہونے والے فساد کی سزا بھی مجھے ملنی چاہیے۔“

”ابو ایسا احمقانہ فیصلہ کر بھی کیسے سکتے ہیں؟“

”باپ ہے تمہارا۔ جب تم ایسے فیصلے کر سکتے ہو تو وہ تو سوا میر ہوں گے۔“

”آپ مجھے ان سے بات کرنے کیوں نہیں دیتیں میں ابھی پوچھتا ہوں ان سے۔ مذاق سمجھ رکھا ہے انہوں نے اس بات کو۔ کیوں اس عمر میں جوان اولاد کے ہاتھوں۔“

”پاپا! وہ عادل سے تمہارے والدین کے پاس سے ہو نکلے گا۔“

”تمہاری وجہ سے اس گھر کے حالات کس حد تک خراب ہو چکے ہیں۔“

”میں ابھی تو غور کر رہی ہوں۔“

خواب ہو رہے ہیں۔ پورا خاندان تباہ ہونے والا ہے۔ اب تو یہ احساس کر لو کہ تمہاری دنیا تمہاری خوشی سے بنائی گئی ہے۔

”میں ابونے کو ایسا کچھ کرنے ہی نہیں دوں گا۔ آپ پر فکر رہیں۔“ وہ پھر اٹھا مگر سعیدہ نے لپک کے پکڑ لیا۔

”تم ان کا قصہ نہیں جانتے۔ ان کی ضد سے واقف نہیں ہو۔ اتنی بڑی بات اگر انہوں نے منہ سے نکالی ہے تو صرف وہی کے لیے نہیں وہ یہ کر گزریں گے عادل۔“ وہ کہنے لگیں۔

”امی۔“ وہ زچ ہوا تھا۔ جب سے آیا تھا سعیدہ رو رو کر ہلکان بھی ہو رہی تھیں اور اسے حلد سے بات بھی نہیں کرنے دے رہی تھیں۔

”میں صرف ایک دن کے لیے آیا ہوں۔ آپ مجھے یہ مسئلہ سلجھانے دیں۔ مجھے کل واپس بھی جانا ہے۔ پرسوں۔“

”تو جاؤ۔ کل کے جاتے آج جاؤ۔ میں اجڑوں۔“ مروں کچھ بھی ہو، تمہیں اس سے کیا۔ تم جاؤ اپنے شادیانے بجاؤ۔“

”میں کیا کروں مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔“

”دونوں ہیں ناں ابھی تمہارے پاس؟“

سعیدہ نے آنسو بھری آنکھیں اس پہ اس سے نکالتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں! تو اگر تو میری شادی ہے۔“

عادل نے رکھائی سے کتے ہوئے نظر چرائی۔

”شوق سے کرو شادی۔ جم جم کرو۔ مگر کیا تم یہ شادی کچھ دن بعد نہیں کر سکتے؟“

”کیسی باتیں کر رہی ہیں امی؟“ اسے گھبراہٹ ہونے لگی وہ اٹھ کے کھڑا ہو گیا۔

”اپنی زندگی بناتے رہنا مگر ماں کی زندگی بھی تم پر قرض ہے بیٹا! جو ماں تمہیں زندگی دینے کا وسیلہ بنی اس کی زندگی تو بچاتے جاؤ۔ میں اپنے پرہیزگار کورسوا ہونے سے بچانے کے لیے تمہارے پاؤں تک پڑنے

”میں نہیں مانتا۔ وہ ایسے ماننے والا نہیں ہے سعیدہ! میں اس سے بھی واقف ہوں کہ باپ ہوں اس کا۔ اور تم سے بھی کیونکہ زندگی کے میں سال تمہارے ساتھ گزارے ہیں۔ ضرور تم نے کچھ ایسا کیا ہے جو تم مجھے بتانا نہیں چاہ رہیں۔ یا پھر اس نے یہ بات ماننے کے لیے کوئی شرط رکھی ہے۔“

”کوئی شرط نہیں رکھی سوائے اس کے کہ وہ کوئل کو فی الحال ساتھ نہیں لے جاسکتا۔ وہ ہمارے پاس رہے گی۔“

”یعنی میرا پہلا اندازہ درست ہے تم نے۔“

”ہاں میں نے۔“ سعیدہ جان گئیں کہ اب وہ پوری بات جانے بغیر دم نہیں لیں گے۔

”مجھے نکالنے کے لیے انگلی ٹیڑھی کی ہے میں نے اور میرا خیال ہے عادل جیسی اولاد سے نمٹنے کے لیے تھوڑی بہت اداکاری جائز ہے۔“

”کیا کیا ہے تم نے؟“ تجش کی انتہا تھی۔

”میں نے۔ دیکھیں آپ خفا مت ہوئے گا۔“

نہ ہی میرا یہ مطلب ہے۔ یہ ضروری تھا۔“

سعیدہ جیسی دو ٹوک گفتگو کرنے والی عورت کو اصل بات بتانے میں متامل دیکھ کر ان کا یقین پختہ ہو گیا۔

”سعیدہ۔۔۔ مجھے اصل بات بتاؤ۔“ اس بار ان کے انداز میں محکم تھا۔

”میں نے عادل سے کہا ہے کہ چونکہ کوئل سے اس کی شادی کرانے کا فیصلہ میری غلطی تھی اس لیے اس کے انکار کے بعد آپ کو جو صدمہ پہنچا ہے اس کے نتیجے میں آپ۔۔۔ آپ نے مجھے طلاق۔“ وہ یہ لفظ ادا کرتے ہی کانپ گئیں۔ ”آپ نے مجھے چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا ہے۔“

”سعیدہ۔“ وہ بے یقینی سے اپنی شریک حیات کو دیکھنے لگے جس کا ایک الگ ہی روپ سامنے آیا تھا۔

”میں سالوں کی رفاقت اور مزاج شناسی کا دعوا پیچھا پڑنے لگا۔“

”یہ تم نے کیا کیا سعیدہ؟“ انہیں اولاد کے سامنے

”یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟“ عادل مسعود یقین کرنے سے انکاری تھے۔

”سچ کہہ رہی ہوں۔ سو فیصد سچ۔“ وہ مسکرائیں مسلسل رونے سے ان کی آنکھیں متورم ہو رہی تھیں ان آنکھوں کے ساتھ یہ مسکراہٹ بڑی اوپری اوپری سی لگی۔

”مگر عادل۔“ وہ متذبذب تھے۔

”میں نہیں مانتا۔ وہ ایسے ماننے والا نہیں ہے سعیدہ! میں اس سے بھی واقف ہوں کہ باپ ہوں اس کا۔ اور تم سے بھی کیونکہ زندگی کے میں سال تمہارے ساتھ گزارے ہیں۔ ضرور تم نے کچھ ایسا کیا ہے جو تم مجھے بتانا نہیں چاہ رہیں۔ یا پھر اس نے یہ بات ماننے کے لیے کوئی شرط رکھی ہے۔“

”کوئی شرط نہیں رکھی سوائے اس کے کہ وہ کوئل کو فی الحال ساتھ نہیں لے جاسکتا۔ وہ ہمارے پاس رہے گی۔“

”یعنی میرا پہلا اندازہ درست ہے تم نے۔“

”ہاں میں نے۔“ سعیدہ جان گئیں کہ اب وہ پوری بات جانے بغیر دم نہیں لیں گے۔

”مجھے نکالنے کے لیے انگلی ٹیڑھی کی ہے میں نے اور میرا خیال ہے عادل جیسی اولاد سے نمٹنے کے لیے تھوڑی بہت اداکاری جائز ہے۔“

”کیا کیا ہے تم نے؟“ تجش کی انتہا تھی۔

”میں نے۔ دیکھیں آپ خفا مت ہوئے گا۔“

نہ ہی میرا یہ مطلب ہے۔ یہ ضروری تھا۔“

سعیدہ جیسی دو ٹوک گفتگو کرنے والی عورت کو اصل بات بتانے میں متامل دیکھ کر ان کا یقین پختہ ہو گیا۔

”سعیدہ۔۔۔ مجھے اصل بات بتاؤ۔“ اس بار ان کے انداز میں محکم تھا۔

”میں نے عادل سے کہا ہے کہ چونکہ کوئل سے اس کی شادی کرانے کا فیصلہ میری غلطی تھی اس لیے اس کے انکار کے بعد آپ کو جو صدمہ پہنچا ہے اس کے نتیجے میں آپ۔۔۔ آپ نے مجھے طلاق۔“ وہ یہ لفظ ادا کرتے ہی کانپ گئیں۔ ”آپ نے مجھے چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا ہے۔“

”سعیدہ۔“ وہ بے یقینی سے اپنی شریک حیات کو دیکھنے لگے جس کا ایک الگ ہی روپ سامنے آیا تھا۔

”میں سالوں کی رفاقت اور مزاج شناسی کا دعوا پیچھا پڑنے لگا۔“

”یہ تم نے کیا کیا سعیدہ؟“ انہیں اولاد کے سامنے

”یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟“ عادل مسعود یقین کرنے سے انکاری تھے۔

”سچ کہہ رہی ہوں۔ سو فیصد سچ۔“ وہ مسکرائیں مسلسل رونے سے ان کی آنکھیں متورم ہو رہی تھیں ان آنکھوں کے ساتھ یہ مسکراہٹ بڑی اوپری اوپری سی لگی۔

”مگر عادل۔“ وہ متذبذب تھے۔

اپنا آپ بے حد چھوٹا محسوس ہوا۔ ”اس کے دل میں میرے لیے کیا عزت رہ گئی ہوگی۔“
”ہلے کون سا آپ کی عزت افزائی کر کے گیا ہے۔“ وہ چمک کے بولیں۔

”یہ سووے جبر کے نہیں ہیں سعیدہ۔“
”جیسے کوئی ساحلہ صاحب۔“
”جب اسے حقیقت پتا چلے گی تو۔“ انہوں نے متانگ سے خوفزدہ کرنا چاہا۔

”کون بتائے گا؟ اس حقیقت سے صرف ہم دونوں واقف ہیں۔ میں تو بتانے نہیں والی کیا آپ بتائیں گے؟“
انہوں نے سر جھکا لیا۔

”فکر مت کریں اور کل کی تیاریاں شروع کریں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔“
”تم نے مجھے بیٹے سے نظر ملانے کے قابل نہیں چھوڑا۔“ انہیں لگتا تھا جسے سعیدہ خاطر میں نہ لاری تھیں۔

”کمال ہے، کل تک آپ کو خاندان سے نظر نہ ملانے کا غم تھا اب میں نے اس کا حل نکالا ہے تو آپ کوئی فکر لاحق ہوئی ہے۔“

”یہ کوئی حل نہیں ہے۔ اور کومل۔ تم نے اس کے بارے میں کچھ سوچا؟۔ اسے ہم چال بازی سے عادل کے سر تھوپ تو رہے ہیں مگر کیا وہ اسے دل سے قبول کرے گا؟“

”کیسے نہیں کرے گا۔ کومل میں کس بات کی کمی ہے۔ آپ دیکھئے گا وہ چار دن میں ہی اس کراچی والی امیرزادی کو بھول بھال جائے گا۔“

”اللہ کرے ایسا ہی ہو۔“
انہوں نے صدق دل سے دعا کی۔ اگرچہ یہ موبوم پر بھی تھا مگر جھوٹ کی جگہ پر جھوٹ کے دھبے بھی لگی پائیدار ثابت نہیں ہوتے۔

میں کتنی کے چند خواب بھی نہیں تھے۔ اس کے برعکس اس کے دل کو لاتعداد دھڑکنے کے ضرور لاحق تھے وہ یہ تو نہیں جانتی تھی کہ عادل اپنے دو ٹوک انکار کے بعد اچانک اس سے شادی کرنے پر تیار کیسے ہوا مگر یہ اندازہ ضرور کر سکتی تھی کہ اس کا یہ فیصلہ کسی نہ کسی مصالحت یا مجبوری کے تحت ہوا ہو گا۔

وہ مجبوراً ”باندھے گئے کسی رشتے کا حصہ کبھی بھی نہیں بنتا چاہتی تھی۔ مگر یہ شادی اتنا اچانک ہوئی تھی کہ وہ مزاحمت کا سوچ بھی نہ سکی۔ صرف سعیدہ کے چہرے پر پھیلی خوشی اور حامد صاحب کے چہرے پر پھیلا نظرات کا جال ہی دیکھ سکی۔

”پتہ نہیں وہ کیا وجہ ہے جس نے ان دونوں کے جذبات کو الگ الگ رنگ دیے ہیں۔“
دروازہ کھلنے کی آہٹ پہ اس کا جھکا ہوا سر مزید جھک گیا۔

آنے والے کے ست روی سے اٹھتے قدم اس کی بے دلی کو ظاہر کر رہے تھے۔ بیڈ کے نزدیک آکر اس نے اپنا کونٹ پھینکنے کے انداز میں رکھا۔

”اسے اپنی جیت مت سمجھنا۔“
کومل اس نئے رشتے کے بننے کے بعد ان ابتدائی الفاظ کو سن کر دہل گئی۔

”اور نہ اسے میری بار جاننا۔ میں ہارا ضرور ہوں مگر اپنی ماں کے آگے، اس کے آنسوؤں کے آگے، اس ہتھیار سے تم کام لینے کی کوشش بھی مت کرنا۔“
وہ چپ کی چپ رہی اور عادل دل کی بھڑاس نکالنے کے بعد تیز تیز قدموں سے چلتا میسر کی جانب کھلنے والا دروازہ ایک جھٹکے سے کھول کر باہر نکل گیا۔

پردہ پٹنے کی ہوا سے بار بار اڑ رہا تھا اور وہ گھونگھٹ کی اوٹ سے اپنی برستی آنکھوں کے ساتھ پردے کے اس پار۔۔۔ ریٹنگ سے کہنیاں نکالے اسے سگریٹ چھونکتے دیکھتی رہی۔

”آپ کیوں اس طرح بیٹھے ہیں؟ اللہ کا کرم ہے

اب فکر والی کیا

اس بات پہ حیران ہو کہ میں فکر مند کیوں ہوں

اس بات پہ حیران ہو کہ میں فکر مند کیوں ہوں

اس بات پہ حیران ہو کہ میں فکر مند کیوں ہوں

اس بات پہ حیران ہو کہ میں فکر مند کیوں ہوں

اس بات پہ حیران ہو کہ میں فکر مند کیوں ہوں

اس بات پہ حیران ہو کہ میں فکر مند کیوں ہوں

اس بات پہ حیران ہو کہ میں فکر مند کیوں ہوں

اس بات پہ حیران ہو کہ میں فکر مند کیوں ہوں

دوسری شادی کرنی تو؟“
”نہیں کرتا۔ یہ بخار کومل اتار دے گی۔ ماشاء اللہ اتنی پیاری لگ رہی ہے دلہن بن کے کہ عادل خود بخود موم ہو جائے گا۔“

سعیدہ نے بڑے یقین سے کہا، اس بات سے بے خبر۔ کہ اس نے اب تک اپنی دلہن کو دیکھنا تک گوارا نہیں کیا۔

”پھر بھی میں یہ کہوں گا سعیدہ۔ یہ کھیل ہمیں مہنگا نہ پڑے۔“

انکارے اب شعلوں میں تبدیل ہو چکے تھے۔
”ٹھیک کہہ رہے ہیں ابو آپ۔ یہ کھیل واقعی آپ کو مہنگا پڑنے والا ہے۔“

اس نے زیر لب دہرایا اور سگریٹ نیچے پھینک کر ایڑی سے مسلا اور مڑ کے اپنے کمرے کی جانب دیکھا۔

پردہ ہوا سے اڑا۔ وہ اب تک بیڈ پر گٹھری بنی بیٹھی تھی اور یہ گٹھری ہلکے ہلکے جھٹکے لے رہی تھی شاید کومل کی سسکیاں۔

وہ اذیت پسندی کے جذبے سے مغلوب ہو کر مسکرایا اور اندر کی جانب بڑھا۔

”تمہارا گھونگھٹ ڈیڑھ گھنٹے بعد اٹھا رہا ہوں، برا تو نہیں لگا تمہیں؟“ اندر آتے ہی اس نے کومل کا گھونگھٹ اٹھاتے ہوئے کہا۔

اس کے چہرے پر آنسوؤں کی وجہ سے مٹے مٹے میک اپ نے ایک عجیب حزن سا پھیلا رکھا تھا۔ وہ آہستہ سے نفی میں سر ہلانے لگی۔

”اچھا، کمال ہے۔“ وہ استہزاء سے ہنسا۔
”تم سے شادی کرنے سے انکار کیا، یہ تو برا لگا ہو گا؟“

وہ ایک بار پھر انکار میں سر ہلا کے رہ گئی۔ اس وقت دل پہ جو گزری تھی، یہ وہی جانتی تھی مگر اب ان شکایتوں کا ذکر کرنے سے کیا حاصل۔

”حیرت ہے۔۔۔ تمہیں کچھ برا نہیں لگتا۔ لگنا

چاہے کچھ تو برا لگنا چاہیے اچھا اب میں جو کروں گا وہ ضرور تمہیں برا لگے گا اب بھی نہ لگا تو شاید مجھے برا لگے۔

اس کے رخ پڑتے چہرے پہ آہستگی سے اپنا ہاتھ پھیرتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا اور ایک رخ بستہ احساس کوئل کی ہڈیوں میں اترتا جا رہا تھا۔

”ایسی ساگ رات بھی کیا کسی کی ہوتی ہے؟“ آئینے کے سامنے بیٹھی وہ خود سے سوال کر رہی تھی۔ اور آئینہ جواب دے رہا تھا۔

”شاید کسی کی نہیں۔ اس آئینے کے سامنے ہر ساگن بھی سوال کرتی ہے کہ ساگ کارنگ اس پہ کیا چڑھا ہے اور کتنا کھلا ہے۔ مگر آج آئینے میں جس ساگن کا عکس دکھائی دے رہا ہے اس پہ ساگ کا نہیں جنون کارنگ چڑھا ہوا نظر آ رہا ہے۔ یہ لٹی پٹی نوچی کھوٹی ساگن یا دلہن نہیں لوٹ کامل نظر آ رہی ہے۔“

اس جواب پہ اس نے گھبرا کے اپنے ہی عکس سے نظریں چرائیں۔ صبح سے اس نے عادل کو نہیں دیکھا تھا اور یہ اس کے لیے اچھا ہی تھا۔ وہ شاید اس کا سامنا کر بھی نہیں پاتی۔ اسے عادل کے گزشتہ رات کے رویے کی بالکل سمجھ نہ آ رہی تھی۔ کیا یہ نفرت تھی یا کسی قسم کا انتقام مگر مشکل یہ تھی کہ وہ اس کا ذکر بھی کسی سے نہیں کر سکتی تھی۔

اپنے ہی شوہر کا اپنے ساتھ یہ شرمناک سلوک وہ کس زبان سے کسی سے کہتی اسے چپ ہی رہنا تھا۔ اور یہ بہت حوصلے کا کام تھا مگر اس کے حوصلے تو یہ سوچ

سوچ کر ہی جواب دے رہے تھے کہ کیا عادل کا یہ طرز عمل اس کا معمول بننے والا ہے۔ کیا وہ آئندہ کی تمام راتیں اس کی روئے کی بھینٹ بننے والی ہے۔ اس خوف نے اس کا خون خشک کر رکھا تھا۔

”کوئل۔ بیٹا ہشتہ کرنے بیٹھے نہیں آئیں تم؟“ سعیدہ کے اندر سے اس نے وہی دردناک سوال کر دیا تھا۔

کے اوڑھا۔ وہ شاید ایسے تمام ثبوت ان کی نظر سے پوشیدہ رکھنا چاہتی تھی جو عادل کی دیوانگی نے اس کے بدن پہ چھوڑے تھے مگر سعیدہ نے اس کی اس بے ساختہ حرکت کو حیا پہ محمول کیا۔

”عادل کا انتظار کر رہی تھیں کیا؟“ پیار سے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے انہوں نے پوچھا اور کوئل جی جان سے لرز گئی۔

”نہیں تو ماما۔“

”مامی نہیں آج سے تم بھی مجھے امی کہو۔“

”جی۔“ وہ خواہ مخواہ دوپٹہ گردن کے گریڈیٹ رہی تھی اور سعیدہ اس کی اس حرکت کی وجہ سے انجان اس پہ تار ہو رہی تھیں۔

”تم تو ایسے گھبرا رہی ہو جیسے سچ سچ سسرال میں تمہارا پہلا دن ہو اور تمہارے سامنے تمہاری ساس کھڑی ہو۔“ وہ ہنسنے لگیں۔

”یہ وہی گھر ہے تمہارا اپنا اور ہم بھی کوئی غیر نہیں وہی ہیں تمہارے اپنے۔“

کوئل کو کل رات کے اجنبی کی صورت یاد آئی اور وہیں جھر جھری لے کر رہ گئی۔

”عادل تم سے کچھ کہہ کر گیا؟“

”جی نہیں۔“

”پتہ نہیں صبح صبح کہاں چلا گیا۔ رات کو مہمانوں کی وجہ سے میں اور تمہارے ماموں بھی دیر سے سوئے

اس لیے صبح نماز کے وقت بھی آنکھ مشکل سے کھلی۔ اور پھر نماز ادا کرتے ہی دوبارہ اونگھ اٹئی۔ ورنہ وہ جاتے ہوئے بتا کر ضرور جاتا۔ چونکہ ادا رہا تھا سات بجے کے قریب نکلا تھا۔ گاڑی بھی نہیں لے کر گیا۔“

وہ فکر مندی سے کہہ رہی تھیں۔

پھر یہ فکر مندی تشویش میں بدل گئی۔ سہ پہر کے تین بج گئے تھے۔ عادل کا کوئی پتہ نہ تھا۔ فرحان اس کے جتنے دوستوں کو جانتا تھا سب کے ہاں سے پتہ کر آیا تھا۔

کراچی میں بھی اس کے جتنے نمبران لوگوں کے پاس تھے وہاں بھی کال کر لیا مگر وہاں بھی نہیں تھا۔

ایسی ایسی پورٹ پتہ کر کے آؤں؟ شاید کراچی میں ان کا نام ہو۔“ فرحان نے آہستہ سے غصہ ظاہر کیا۔

”کراچی جانا تو تھا وہ دن بعد۔ ہم نے کوئی ایسا نوچا نوچا چپکے سے بغیر بتائے جاتا۔“ سعیدہ سے کہہ۔

”ایسا تو نہیں سعیدہ کہ۔“ حامد مسخوڑنے لگا۔

”سعیدہ نے شدت سے جھٹلایا۔

”کچھ چھپا رہی ہیں امی؟“ کوئل کی طرح ہی اس سارے چکر سے انجان تھا مگر اسے کچھ

”نہیں۔“

”انہوں نے کہہ تو دیا ان کی نظریں متلاشی انداز میں کمرے کا جائزہ لیتی تھیں۔ چند منٹ بعد انہوں نے وارڈ روب

کا کالکھا ایک پرچہ نکال ہی لیا۔

”صاحب تو ان کے ہاتھ میں خط دیکھتے ہی ڈھے لپکپکاتے لمبے میں پڑھنے لگیں۔“

جب یہاں سے گیا تو ندامت اور پشیمانی کے

نئے دبا ہوا تھا۔ میرا خیال تھا میں شاید دنیا کا سب

ایسا ہوں جس نے اپنے ماں باپ کے ساتھ ایسا

کچھ کیا تو مجھے آپ کے پاس واپس لایا۔

”ندامت کا ازالہ کرنا چاہتا تھا مگر اب مجھے ایسا

ہاں ہے جیسے میں دنیا کا سب سے برا بیٹا نہیں بلکہ

دنیا کے سب سے برے ماں باپ ہیں اور

کے ساتھ اس سے بھی برا ہونا چاہیے جو میں کر رہا ہوں اور آئندہ کرنے والا ہوں۔“

عادل

لے دکھی نہیں تھی۔ ساگ رات نے جہاں اس کا بانکپن اس کی اتا اس کی نسوانیت کا غور اس کا وقار چھینا تھا وہیں اس کی نو عمری کی محبت بھی چھین لی تھی۔ اب وہ اپنے دل میں دو دور تک عادل کے لیے کوئی بھی جذبہ نہیں پارہی تھی۔

مگر وہ خوشی کا اظہار بھی نہیں کر سکتی تھی۔ وہ جو گیا تھا، اکیلا نہیں گیا تھا، اس کے مستقبل کی رہی سہی امیدیں بھی ساتھ لے گیا تھا۔

”آج رات ولیمہ ہے اور ایک دو گھنٹے تک مہمان آنا شروع ہو جائیں گے۔ کیا جواب دیں گے ہم انہیں۔“

حامد صاحب نے اس جلد سناٹے کو توڑا۔

”کیا کریں، کوئی نہ کوئی بہانہ تو بنانا پڑے گا۔“ سعیدہ نے کہا گویا حامد صاحب کے دبے ہوئے غصے کو ہوا دے ڈالی۔

”چپ رہو تم، پھر جھوٹ ایک اور جھوٹ۔ کب تک جھوٹ بولتے رہیں گے ہم۔ پہلے ہی تمہارے جھوٹ نے یہ دن دکھایا ہے۔“

”ابو! آپ امی پہ کیوں بگڑ رہے ہیں۔ ان کا کیا قصور ان سب میں؟“ فرحان نے ماں کی طرف داری لی۔

”قصور؟۔۔۔ کہاں تک گنواؤں میں تمہاری ماں کے قصور۔“

وہ شاید اور بھی کچھ کہتے مگر سعیدہ نے نگاہوں ہی نگاہوں میں التجا کر کے انہیں روک دیا۔

”اب کوئی اور جھوٹ نہیں بولا جائے گا۔ جو سچ ہے وہی بتایا جائے گا سب کو۔ چاہے وہ سچ کتنا بھی

شرمناک کیوں نہ ہو۔ فرحان! تم سب کو فون کرو اور ولیمہ ملتوی ہونے کی خبر دے دو۔ وجہ پوچھیں تو وہی وجہ بتا دو جو ہے۔“

”مگر ابو۔۔۔“ فرحان متذبذب ہوا۔

”فرحان! میں نے جو کہا ہے وہی کرو۔“

”ایک بار اور سوچ لیتے حامد صاحب۔“ سعیدہ نے بھی اس جلد بازی پہ ٹوکنا چاہا۔

”تم نے سوچا تھا؟ سوچا تھا کہ اس کا نتیجہ کیا نکلتے گا۔“

وہ سر جھکا کے رہ گئیں۔ فرحان یا ہر نکل گیا اور حلد مسعود نے سکتے کے عالم میں بیٹھی کوئل کو دیکھ کر ایک ٹھنڈی سانس بھری تھی۔

عزیز رشتے داروں کو آنے سے منع تو کر دیا گیا تھا مگر پھر بھی وہ آئے۔ ولیمہ میں شرکت کرنے نہیں۔ بلکہ ولیمہ ملتوی ہونے کی اصل وجہ تفصیل سے جاننے کے لیے۔

”غلطی تم لوگوں کی ہے عادل کی نہیں۔“

حلد مسعود کے بڑے بھائی اصغر مسعود نے سنتے ہی فیصلہ دے دیا۔ ان کی بیگم تائید میں سر ہلانے لگیں۔ ”جب وہ دل سے راضی نہیں تھا تو تم لوگوں کو زبردستی نہیں کرنی چاہیے تھی۔“ زندگی میں پہلی بار وہ میاں کی حمایت میں بیان دے رہی تھیں۔ بے چارے اصغر مسعود مارے حیرت کے چپ سی رہ گئے۔ ”اور حلد۔ جب میں نے کوئل کا ہاتھ اپنے شیر کے لیے مانگا تھا تو تم نے فوراً انکار کر دیا کہ یہ میرے عادل کی امانت ہے۔ اب کہاں ہے عادل؟ اس سے تو اچھا تھا کہ تم کوئل کو میرے شیر سے بیاہ دیتے۔ اس کی زندگی تو برباد نہ ہوتی۔ ہم بیکوں پہ سجا کے رکھتے اپنی لنگی کو۔“

سب سے بڑی تپا بیگم کیوں پیچھے رہ گئیں۔

”مجھے اس صورت حال کا اندازہ نہیں تھا تپا بیگم۔ وہ کمزور لہجے میں اپنا دفاع کر رہے تھے۔“

”جب میں نے عادل سے کوئل کی نسبت طے کی تھی تب اس نے کسی قسم کا کوئی اعتراض نہیں کیا۔“

”یہ بات سات سال پرانی ہے حلد اگر وہ مقتنی کے

تحتیاب کسی نہ کسی شادی کو بھائی کو بھائی کی

تب ہی سمجھ جانا چاہیے تھا۔ ہم اپنے گھر بیٹھے کھنگ

”اور کیا۔ اس لیے تو میں نے شیر کے لیے اس کا رشتہ طلب کیا تھا کہ شاید اب ان لوگوں کا ارادہ بدل گیا ہو ورنہ اتنے سال مقتنی کون رکھتا ہے۔ کوئل سے تین سال چھوٹی ہے میری بیاب اور اب ایک بیٹے کی ماں ہے۔ برا کلم کیا تم لوگوں نے اس بن ماں باپ کی نیکی کے ساتھ۔ بے کار بٹھا بٹھا کے اس کی عمر تو گنوا لی اب ایک دن کی دس گنا غ بھی لگا دیا۔“

”کوئل دلخائیں لگا بھاری کوئل کو۔“

کب سے مجرموں کی طرح سر جھکائے بیٹھے حلد مسعود خاموشی سے ان سب کے الزامات کو سہہ رہے تھے مگر اب حتیٰ سے کہہ اٹھے۔

”یہ دل غبی ہے حلد! کیا بنے گا اب اس کا۔“

”ہم عادل کو سمجھا بھٹا کے واپس لا میں گے۔“

سعدیہ نے یقین دلایا۔

”نہیں عادل کو ہم واپس نہیں لائیں گے۔“ حلد نے مضبوط لہجے میں ان کی تردید کی۔

سعدیہ سمیت سب لوگ ہی ان کا منہ ٹکٹے لگے۔

”اور نہ وہ خود آئے گا۔ اسے میری زندگی میں یہ

ولیمہ پار کرنے کی اجازت نہیں ملے گی۔ اب اس کا اس گھر سے اور ہم لوگوں سے کوئی رشتہ نہیں ہے۔ بس

حلد مسعود کا انداز حتمی تھا۔

کمرے میں چند لمحوں کے لیے ایک سکوت سا چھا گیا پھر اصغر مسعود کی بیگم نے ہاتھ جھاڑتے ہوئے اس سکوت کو ختم کرنے میں پھل کی۔

”وہ بات ہی ختم کر دی حلد بھائی صاحب نے یعنی کوئل کی زندگی سنوارنے کی رہی سہی امید بھی ختم کر رہے ہیں۔“

”آزمائے ہوئے کو بار بار آزمایا نہیں جاتا بھائی بیگم! ایک بار اسے یہاں زبردستی لانے کا انجام دیکھ چکے ہیں ہم۔ اس نے کوئل کی زندگی پہ اور ہم سب کے اعتماد کو تو ختم دیا ہے جو شاید ہی کبھی بھر سکے۔ یہ اس کی سزا ہے کہ وہ اس دنیا میں جب تک رہے اپنے سگے رشتوں کو ترسے۔ میں اب اس سے کوئی تعلق نہیں رکھتا چاہتا۔“

”تم نے لا تعلق اختیار کر لینے سے کیا ہو گا حلد! سب سے کامل جذبات سے نہیں مصلحت سے نکالو گے۔ اب اس کی درمیانی راہ تلاش کرو جس سے کوئل کا گھر میں ملے اور عادل بھی اس گھر سے وابستہ رہے۔“

”یہاں پہنچتا ہے وہیں اسے شادی کرنے دو۔۔۔ مرد

عادل کے پاس رہے مگر اتنی گنجائش رکھو کہ وہ

”ایک آدھ بچہ ہو جائے گا۔“

”شکست عادل کو بار بار یہاں کھینچ لایا کرے گی۔“

”میں نے طے کر لیا ہے۔ عادل کا اس گھر اور

گھر کے رہنے والے کسی بھی فرد سے کوئی رشتہ

”ہو گا۔“

”یہ غرق کر رہے ہو تم اس بیٹیم بچی کا۔“ تپا بیگم

ت روکیے جانے پہ غصے میں آ گئیں۔

سعدیہ نے سر پکڑ لیا۔

”وہ کتواری رہے گی۔ نہ شادی شدہ شوہر کے

بے ہوئے اجڑی زندگی گزارے گی وہ؟“ تپا بیگم کہہ

”نہیں۔“ انہوں نے آواز دی۔

”جی ابو۔“ وہ فوراً اندر آیا اور جا بھتی ہوئی

”سے طلاق بھیج دے اور پھر دوبارہ کبھی یہاں مڑ کے نہ

دیکھے اور نہ کسی قسم کا رابطہ کرنے کی کوشش کرے۔“

”جی ابو۔“ اس نے ماں کی جانب دیکھا کہ شاید وہ

ہی اس حکم کی تعمیل سے روکنے کی کوشش کریں مگر وہ

پوچھ منہ پہ رکھے سسکیاں روکنے کی کوشش کر رہی

تھیں۔

”جو کچھ وہ کر چکی تھیں اس کا ایسا نتیجہ نکلا کہ اب

مزید کوئی فیصلہ کرنے یہاں تک کہ رائے دینے سے

بھی ہچکچا رہی تھیں۔ یہ بھی جانتی تھیں کہ اب ان کی

کسی بھی بات کو حلد تنگ سے بھی ہلکا جانتے ہوئے کوئی

اہمیت نہیں دیں گے۔ اپنے ایک جھوٹ اور جلد بازی

میں کیے فیصلے کی وجہ سے وہ اپنی ذات پہ اعتماد کھو بیٹھی

تھیں۔ نہ صرف شوہر کی نظموں میں بلکہ خود اپنی

نظموں میں بھی۔

”یہ تم کیا کر رہے ہو حلد؟“ تپا بیگم نے ناگواری

سے کہا۔

”جو غلطی کر چکا ہوں اس کو ٹھیک رہا ہوں۔“

”کیا خاک۔ کیا ایسا کرنے سے کوئل کی زندگی

بدل جائے گی؟ ایسا کر کے تم ایک اور دلخ لگا رہے ہو

اسے۔ جو کسر عادل نے باقی چھوڑی تھی وہ تم پوری کر

دو۔“

”بس۔۔۔ آئندہ سے کوئی کوئل کے لیے دلخ جیسا

لفظ نہیں استعمال کرے گا۔ میں جو کر رہا ہوں اس کی

بہتری کے لیے کر رہا ہوں اور اللہ گواہ ہے کہ میں نے

پہلے بھی جو کیا وہ نیک نیتی سے کیا تھا ہاں اس کا نتیجہ

ٹھیک نہیں نکلا۔ میں کوئل کو عمر بھر عادل کے نام پہ

نہیں بٹھاؤں گا۔“

”ہاں طلاق یافتہ ہو کر جھنڈے گاڑے گی زمانے

میں۔“

”بھائی بیگم بڑبڑائیں اور اپنے میاں کو اٹھنے کا اشارہ

کیا۔“

”نہیں۔ میں اس کی دوسری شادی کروں گا۔“

”انہوں نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ بھائی بیگم ذرا سا

گڑبڑائیں۔ شیر کے لیے بڑھ چڑھ کر کہنے والی وہی

تھیں۔

”اور سنو۔ اب کون کرے گا اس سے شادی۔
کنواروں کو رشتے ملتے نہیں یہ طلاق دلو کر بر
ڈھونڈیں گے۔“

ڈھونڈنے والے الفاظ میں انہوں نے جتنا دیا کہ شیر کے
لیے کول کی خواہش پرانی بات ہے۔ اب ان سے کوئی
امید نہ رہی جائے۔ اس بار انہوں نے اصغر مسعود کو
اشارے کے بجائے انھیں کے لئے ٹھوکا دیا۔ وہ ہر دو
کے فوراً کھڑے ہو گئے۔ آپا بیگم نے بھی ان کی تقلید
کی۔

”رشتہ ڈھونڈنے کی کیا ضرورت ہے۔ کول کی ذمہ
داری میں نے عمر بھر کے لیے لی تھی۔ وہ پہلے بھی
میرے گھر کی رونق تھی اور آئندہ بھی اس گھر کی زینت
بنی رہے گی۔ میں فرحان سے اس کی شادی کروں گا۔“
”فرحان سے؟“ کب سے خاموش بیٹھی سعیدہ اس
بار چیپ نہ رہ سکی۔

”ہاں۔ فرحان سے، تمہیں کوئی اعتراض ہے؟“
انہوں نے براہ راست اس سے پوچھا جو خود اس
اچانک حملے کے سے حواس باختہ تھا۔
”میں۔۔۔“ اس نے ایک نظریاب کے امید و بیم
میں ڈوبے چہرے کو دیکھا۔ خاندان کے سامنے جھکے
کاندھوں کو دیکھا۔

دوسری نظریاب کے فتنے چہرے۔ ڈالی جو کول کی
بربادی کی ذمہ داری سر پہ لیے نجانے کب تک شوہر کی
بے اعتنائی سنے والی تھیں اور پھر ایک گہری سانس لی۔
”نہیں مجھے کوئی اعتراض نہیں۔“

”مگر مجھے اعتراض ہے۔“
روز کی طرح آج بھی سعیدہ اسے سمجھنے لگی تھیں
مگر وہ ایک ہی بات پکڑے ہوئے تھیں۔

فرحان کے بارے میں میں نے کبھی ایسا نہیں
سوچا مای۔ وہ میرے لیے بالکل چھوٹے بھائی کی
طرح۔۔۔

وہ رو پڑی اور سعیدہ کے دل میں چھپا اعتراض توانا
ہوا۔ انہیں بھی فرحان اور کول کی عمر کے فرق کا
احساس تھا۔ دل سے وہ بھی حلد کے اس فیصلے پر خوش
نہیں تھیں مگر ایک خوف تھا جو انہیں اس فیصلے کی
مخالفت کرنے سے روک رہا تھا۔

وہ جانتی تھیں کسی حد تک کول کے ان حالات کی
ذمہ داری ان پر عائد ہوتی ہے۔ عادل نے شادی سے
انکار کیا تھا، حلد غصے میں آئے تھے اور بات آگئی ہو
گئی تھی۔ کچھ دن جاتے سب اس تلخی کو بھول بھل
جاتے۔ عادل وہیں شادی کر لیتا جہاں چاہتا تھا۔ دیر یا
میری حلد اسے معاف کر دیتے۔ کول کی بھی کہیں نہ
تھیں تو شادی ہو ہی جاتی۔ شاید شیر سے ہی مگر انہوں
نے یہ سب نہیں سوچا۔ اس وقت ایک عجیب سی
دھن سوار ہو گئی تھی کہ عادل سے کسی نہ کسی طرح
منوا کے رہنا ہے۔

وہ جانتی تھیں کہ جب تک کول کے آنسو خشک
نہیں ہوں گے۔ اس کی زندگی میں دوبارہ خوشیاں نہیں
آئیں گی وہ ایسے ہی مجرم بنی رہیں گی۔ اس لیے چاہتے
ہوئے بھی وہ فرحان سے اس کی شادی کی مخالفت نہیں
کر سکتی تھیں۔

ہاں اگر فرحان پس و پیش کرتا تو شاید۔ مگر فرحان
نے چھوٹے ہی ہتھیار ڈال کے بات ہی ختم کر دی۔

”یہ طلاق نامہ دیکھو کول۔! اب عادل سے
تمہارا کوئی رشتہ نہیں رہا۔ اب کس آس یہ تم اس کے
لیے بیٹھنا چاہتی ہو۔“ انہوں نے اسے ہتھوڑتے
ہوئے طلاق کے کاغذات دکھائے۔

”پہلے بھی تو یہاں رہتی تھی۔ اب بھی رہنے
دیتے۔ فرحان سے شادی کرنا ضروری تو نہیں۔“

”ضروری ہے۔ پہلے کی بات اور تھی۔ اب اب
۔۔۔ اوہو تم مجھتی کیوں نہیں ہو۔ تمہارے ماموں
لوگوں کے سوالوں کا جواب دیتے دیتے اور الزام سہتے
سہتے تھک چکے ہیں۔ وہ مجرم بن چکے ہیں سب کی
نظروں میں۔ سب کا خیال ہے کہ تمہاری اس حالت
کے ذمہ دار ہم ہیں۔ کیا تم انہیں اس الزام سے بری

کرتی؟“
صاحب کا نام آتے ہی وہ چیپ ہو گئی۔
اس نے ساری زندگی اس کے لیے جو کیا تھا اس
لے وہ اپنی جان بھی دے دیتی تو کم تھا مگر فرحان
بکری۔
پہلے اگر وہ کمزور پڑ جاتی۔

مجھے کچھ وقت تو دیں مای۔۔۔ میں اتنی جلدی یہ

وقت ہے تمہارے پاس ابھی تم عدت میں ہو۔
فیصلہ جتنی جلدی اپنے ماموں کو سنا دو اتنا اچھا
نہیں سکون مل جائے گا اور لوگوں کی زبانیں بھی
جائیں گی۔“ وہ اس کے سر پہ ہاتھ رکھتے ہوئے

”اول۔! وہ نماز کے بعد لان میں ٹہل رہی تھی
فرحان کی آواز پہ پلٹی۔

اس نے سامنے دیکھ کر اسے حیرت ہوئی۔ اتنی
اس کی صبح ہوتی تو نہیں تھی۔ وہ جلدی سے سر
پیش آگے تک کرنے لگی۔
”تم سے ایک بات کرنا تھی کول۔“

”میرے چل کے کر لو۔“
”آگے بڑھنے لگی۔ مگر فرحان کی آواز نے اس کے
روک دیے۔

”مجھے اکیلے میں تم سے بات کرنی ہے۔“
”نہیں کر سکتی۔ تم جتنے کیوں نہیں میں عدت
ہوں۔“

”یہ بات تم سمجھو۔ عدت میں پردہ نا محرم سے
تے ہیں۔ اگر میں نا محرم ہوں تو پھر شادی سے انکار
لیے تم نے جو جواز پیش کیا ہے وہ تو بے بنیاد ہوا۔“
وہ حیرت سے پلٹی۔
”کیا مطلب؟“

”وہ بچے سے ڈھکا اس کا چہرہ دیکھ کر مسکرایا اور
اس گلاب کی باڑھ پہ جمادیں۔

”امی نے بتایا ہے کہ تم مجھ سے شادی کیوں نہیں
کرنا چاہتیں۔ کیونکہ تم نے کبھی مجھے اس نظر سے
دیکھا ہی نہیں۔ کول! دیکھا تو میں نے بھی نہیں مگر میرا
خیال ہے اب دیکھ لینے میں حرج بھی کوئی نہیں۔ کیا
خیال ہے تمہارا۔“

وہ تیز تیز چلتی اندر کی طرف بڑھ گئی اور فرحان ہلکی
اس مسکراہٹ ہونٹوں پہ لیے اسے دیکھتا رہا۔

(دوسری اور آخری قسط آئندہ ماہ)

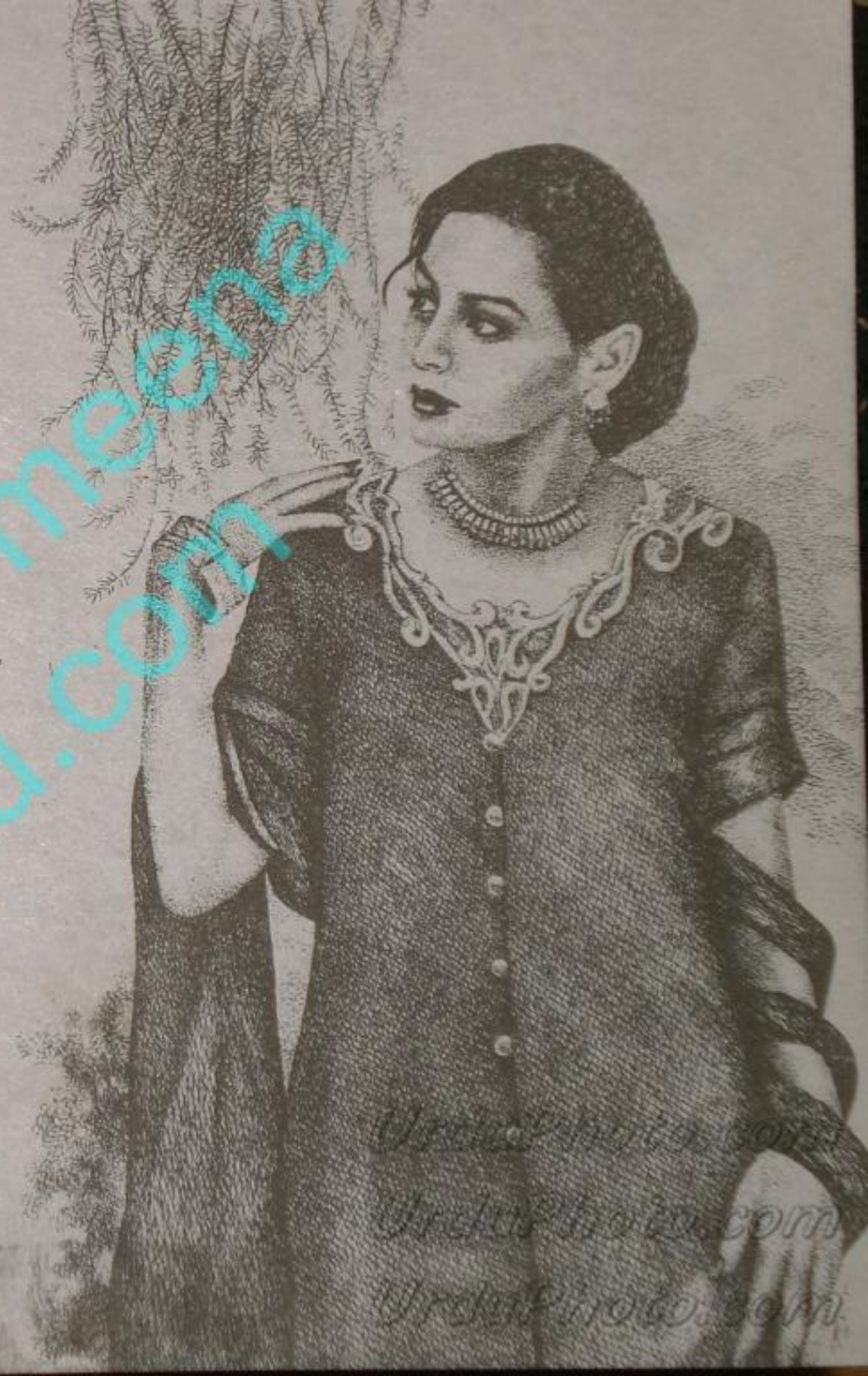
فاترہ افتخار

کیا سیری کیا رہی

مکمل ناول

۲

دوسرا اور آخری حصہ



وہ فرحان کی بات پہ حیران تھی۔

کیونکہ اس نے ہمیشہ فرحان کو ایک لالچیل اور کھنڈر اسٹار کا سمجھا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ اس معاملے کو اتنی گہرائی اور سنجیدگی سے لے سکتا ہے اس کے لیے ہل کرنے میں جھجکنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی۔ دو سری بہت سی وجوہات کے ساتھ ساتھ۔ ایک تو عادل کی جانب سے ملے دھچکے سے وہ اب تک شہنشاہ نہ پائی تھی کہ نئے سرے سے زندگی کسی اور کے ساتھ شروع کرنے کے بارے میں سوچ جاتی۔ دو سرے عادل نے جس طرح اسے ٹھکرایا تھا اس کی محبت اور اتنے سالوں کے انتظار کو بے وقعت کر کے رکھ دیا تھا۔ اس کے بعد اسے اپنے اندر ایک عجیب سا احساس کمتری اور کم مائیگی پہنچتا محسوس ہوتا تھا۔ فرحان تو عادل سے کم عمر بھی تھا اور کیس زیادہ وجہ یہ بھی۔ کیا وہ اسے بغیر کسی دیاؤ کے کھلے دل سے قبول کر سکتا تھا؟ یہ خیال اسے گہرا ہٹ میں مبتلا کر دیتا۔ وہ کسی دو سرے لذت ناک اور حقیر بھرے حوالے سے خائف تھی۔

تیسری وجہ فرحان کی زندگی کے ہر معاملے میں غیر سنجیدگی اور طبیعت کا بچپنا تھا۔ اسے لگ رہا تھا کہ چونکہ عادل کی اس حرکت سے گھر کا ماحول خاصا کشیدہ ہے۔ ماموں جان نڈھال اور پر مروت رہنے لگے ہیں۔ مامی سے ان کی سچ کھائی عروج پر ہے اس لیے ان حالات میں فرحان اس سے شادی کرنے سے انکار کی ہمت نہیں کر پایا ہو گا مگر زندگی میں جب بھی موقع ملا وہ اس زبردستی کے بندھن سے جان چھڑانے سے دریغ نہیں کرے گا۔

یہ سب سوچ کے ہی وہ اب تک فرحان کے لیے آٹا نہیں ہوا رہی تھی جسے سعید نے عادل کے لیے چھپا دیا۔ اس کی محبت سمجھاؤ کا محسوس ہونے کے لیے اسے اپنا قصور

دھونے کی خاطر کومل کے دل سے عادل کی اس محبت کے اثرات دھونے میں مصروف رہی جس محبت کا اب کیس کوئی وجود نہ تھا۔ تو بہن کے چہنٹوں نے اس آواز کو بالکل ہی مٹا دیا تھا۔ اب تو سب کو سب بھولنا ہو گا۔

صرف نفرت کا دھواں اٹھتا تھا۔

تعلق تو ذاتی تو عادل کا سب سے بڑا جرم نہیں تھا۔ جاتے جاتے وہ جس بے دردی اور سہانہ کینے سے اس کے کنوارے دل کو روند کر گیا تھا وہ کومل کے دل میں ہمیشہ ہمیش کے لیے اس کی نفرت ہو گیا تھا مگر سعید اس نفرت کو بچان نہیں پادری تھیں۔ ان کا خیال تھا وہ عادل کو بھلا نہیں پادری تھیں۔ اس لیے فرحان کی زندگی میں شامل ہونے سے پہلے چار ہی تھیں۔ روز کی طرح اس دن بھی اسے یہی سمجھاری تھیں کہ وہ بے بسی سے رو دی۔

”کتنی مشکل ہے ایک ماں کو یہ بتانا کہ وہ اس کے ایک بیٹے سے کتنی نفرت کرتی ہے اور دوسرے اسے اعتماد نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے الگ ثابت ہو گیا وہی کرے گا جو عادل نے کیا۔“

”میں نے تمہیں کبھی روئے سے نہیں روکا کومل! کبھی بھی نہیں۔ حالانکہ ہر بار تمہارے آنسو مجھے اندر تک بھگو دیتے ہیں پھر بھی کبھی نہیں روکا تاکہ ان آنسوؤں کے ساتھ ساتھ تم اپنے دل سے عادل کی ہر یاد بھی نکال دو۔“

”کچھ یادیں صرف آنسوؤں سے نہیں مٹیں ان کی بنیادیں بہت گہری ہیں۔“

اسے وہ رات اپنی تمام تر غما کی کے ساتھ یاد آگئی جس رات کے خوف کا سایہ شاید عمر بھر اس کے ساتھ رہتا تھا۔

”میں جانتی ہوں عادل کی محبت اس کی یاد پندرہ سال پرانی ہے۔ پندرہ دن کے آنسو انہیں کیسے مٹا سکتے ہیں۔“

”ایسی بات نہیں مامی۔ میں۔۔۔“ اس نے کہنا چاہا۔

جب فرحان کسی کام سے انہیں بلائے آیا مگر اُدھ کھلے دروازے سے یہ منظر دیکھ کر وہیں رک گیا۔ کومل کے آنسوؤں نے اسے ایک عجیب سی بے چینی عطا کی جس سے گہرا کر وہ ملتنے لگا کہ سعید کی بات نے اسے پھر سے ختم جانے پر مجبور کیا۔

”زندگی عادل سے شروع ہو کر عادل پہ ختم نہیں ہوتی۔ ابھی تمہارے سامنے ساری عمر بڑی ہے جسے ہم ایسے بریاد نہیں ہونے دیں گے۔ نہ فرحان کوئی غیر ہے نہ یہ گھر تمہارے لیے اجنبی ہے۔ تمہارے لیے یہی بہتر ہے۔“

”مگر آپ لوگ میرے لیے کچھ بہتر کرنا چاہتے ہیں تو مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔ پلیز میں رہ سکتی ہوں ایسے۔“

”مگر کومل۔۔۔ مٹا۔“

”آپ کو۔۔۔ آپ کو میرے آنسوؤں کی فکر ہے نا تو یہ لیجئے میں کبھی نہیں روؤں گی۔“ اس نے ہتھیلیوں کی پشت سے اپنے چہرے کو رگڑا۔

”میں کبھی نہیں روؤں گی۔ آپ کو میری خوشیوں کی پروا ہے نا۔ یہ دیکھیں میں خوش ہوں۔ میں مسکرا رہی ہوں۔“ اس نے مسکرائنے کی کوشش کی۔

اور اس کی یہ ناکام کوشش باہر کھڑے فرحان کے دل کو تو جیر ہی گئی۔ سعید بھی لرز کے رہ گئیں۔

”میری بچی میں تمہیں کیسے سمجھاؤں۔ یوں آنسو اندر اتار کے اس زخمی مسکراہٹ کے ساتھ رہنا کتنا مشکل ہے۔ ہم نہیں مشکل میں نہیں دیکھ سکتے۔“

”تو مجھے مشکل میں کیوں ڈال رہے ہیں۔“

”بیٹیاں تو ماں باپ کی ہر بات مان لیتی ہیں۔ بیٹے سے مایوس ہو کر تمہارے ماموں نے بھی سے اس لگائی ہے۔ اسے ان کی ضد سمجھ کے ہی مان لو۔“

”ضد کے رشتے کا انجام آپ دیکھ چکی ہیں۔“

اس کی بات نے سعید کی ساری مزاحمت کو دم توڑنے پر مجبور کر دیا۔

وہ چپ کر گئیں مگر باہر کھڑے فرحان کے اندر سوال شور مچانے لگے۔

”کومل کا اتنی سختی سے بے انکار پہ ڈٹے رہنا کیا ثابت کرتا ہے؟ عادل سے اس کی محبت یا مجھ سے اس کا گریز؟“

وہ دیر تک ٹھٹھاتا اس سوال کا جواب ڈھونڈنے کی کوشش کرتا رہا۔ مجبور ہو کر جواب کی طلب میں کومل کے پاس چلا آیا۔

”ان میں سے کوئی وجہ نہیں ہے میرے انکار کی۔“

کومل نے رخ پھیر کے جواب دیا۔

اس کی عدت ختم ہو چکی تھی مگر فرحان سے ایک نئے حوالے کے ساتھ سامنا کرنا اسے بہت مشکل لگ رہا تھا۔

”پھر تیسری وجہ کیا ہے؟“

”تمہیں اس سے کیا؟“ وہ جھنجھلا اٹھی۔ ”وہ تیسری وجہ کوئی بھی ہو اس سے تمہارا کوئی تعلق نہیں۔“

”تعلق تو ہے۔ اگر تم سمجھو۔“ وہ بھی ڈھیٹ بنا کھڑا رہا۔

”میں زبردستی تمہارے سر پہ سوار نہیں ہونا چاہتی۔“

”میں خوشی خوشی تمہیں سر پہ بٹھانے کو تیار ہوں۔“

وہ ہلکا سا مسکرایا مگر کومل کو نہ اس کی بات پہ یقین تھا نہ یہ مسکراہٹ بھلی لگی۔

”جب دل بھر جائے گا تو سر سے اٹھا کے زمین پہ پٹختے میں بھی دیر نہیں کرو گے اپنے بھائی کی طرح۔“

اس کے زہریلے اور تنفر بھرے لہجے نے فرحان کی مسکراہٹ کا گلا گھونٹ دیا۔

”میں بھائی جان جیسا نہیں ہوں نہ مجھے ان جیسا سمجھنے کی غلطی کرنا۔ ٹھیک ہے مجھ میں وہ اچھائیاں نہیں جو ان میں ہیں مگر شکر ہے کہ مجھ میں وہ خامیاں بھی نہیں جو ان میں ہیں۔“

”تم بھائی ہو اس کے“ اس سے الگ کیسے ہو سکتے ہو۔“

وہ اس پہ چلا کے یونہی اپنے دل کا غبار کم کر رہی تھی۔
 "ایک ہی ماں کی اولاد ایک جیسی نہیں ہوتی۔ ہر انسان اپنی فطرت لے کر پیدا ہوتا ہے۔ تربیت عادات پہ اثر انداز ضرور ہوتی ہے مگر فطرت پہ نہیں جس ماں نے عادل بھائی کی تربیت کی ہے اسی ماں کی گود میں میں اور تم بھی پلے ہیں کول۔"

وہ چپ ہو گئی۔
 فرحان کی دیکھ میں تو دم تھا ہی جس نے اسے خاموش ہو جانے پہ مجبور کر دیا لیکن اس کے ساتھ ساتھ اسے حیرت بھی ہو رہی تھی کہ فرحان اس معاملے کو اتنی سنجیدگی سے کیوں لے رہا ہے۔
 اگر وہ صرف اپنے ماں باپ کو خوش کرنے کے لیے اس شادی پہ راضی ہوا تھا تو اس کے دو ٹوک انکار پہ اسے شکر کرتے ہوئے ہاتھ جھاڑ کے بیٹھ جانا چاہیے تھا جبکہ وہ سعیدہ ہی کی طرح بار بار اس پہ دباؤ ڈال رہا تھا اور اس سے انکار کی وجہ جانتا چاہ رہا تھا۔

"فرحان۔ میں نے۔ میں نے بھی اس طرح سے سوچا نہیں۔ مجھے بہت مشکل لگ رہا ہے یہ۔" وہ کمزور پڑ گئی۔
 "اگر اب تک نہیں سوچا۔ تو اب سوچ لو۔ بلو می۔ یہ اتنا مشکل نہیں ہے۔ میں ایسا کر کے دیکھ چکا ہوں۔"

کول نے نظر اٹھا کے اسے دیکھا وہ مسکرا رہا تھا۔
 "مجھے پتا ہے اب تم ایسا کر کے ضرور دیکھو گی۔ میری نقل کرنا تو عادت ہے تمہاری۔"

نہ چاہتے ہوئے بھی وہ جینپ کے مسکرا دی۔
 فرحان کا قبضہ کرے میں کو بچاؤ یا ہر کسی کا ہم سے گورنری سعیدہ کی ایک بات کہیں۔

بے حد حیرت اور بے یقینی سے انہوں نے سامنے دیکھا۔
 فرحان کی آواز اسی کہہ رہی تھی۔
 فرحان کھڑا ہے ساختہ ہنس رہا تھا اور کول جینپ جینپ مسکرا رہی تھی۔

ایک طمانیت بھری مسکراہٹ سعیدہ کے لبوں پہ

پھیل گئی۔
 انہیں یہ منظر اتنا بھلا لگا کہ وہ اس میں شریک کرنے کے لیے حامد مسعود کو بلائے نیچے بھاگیں۔

کول کے خدشے بے بنیاد نکلے۔ فرحان ان سب کی توقعات سے کہیں بڑھ کے اچھا شو ہر اور ذمہ دار بیٹا ثابت ہوا۔

حامد مسعود نے اس پہ اعتماد کیا تھا اور اس نے اس اعتماد کو نہیں نہیں پھینکا۔

وہ اتنا ٹوٹ کر محبت کرنے والا شخص تھا کہ کبھی کبھی کول کو اس کی محبتیں سمیٹنے کے لیے اپنا دامن کھوڑا محسوس ہونے لگتا۔

اس کی وارفتگیں اتنی بھرپور ہوتیں کہ اسے اپنی خوش بختی پہ یقین نہ آتا۔

پھر گزریا نے جلد ہی آکر ان کی زندگی مکمل کر دی۔

گزریا نے تو ہمارے گھر کا ماحول ہی بدل دیا ہے۔
 سعیدہ نے حامد مسعود کو پوتی کے ساتھ کھیلنے دیکھ کر طمانیت سے کہا۔

"ارے یہ ننھی گزریا تو رونق ہے ہمارے گھر کی۔ اس کے آنے کے بعد ایسا لگتا ہے جیسے میں پھر سے جی اٹھا ہوں۔"

انہوں نے گزریا کی ننھی سی انگلیاں اپنے لبوں سے لگا لگیں۔

"صرف آپ کو ہی نہیں گزریا نے اپنے ماں باپ کے رشتے کو بھی نئی زندگی بخشی ہے ورنہ مجھے تو ڈر تھا کہ بچانے یہ دونوں اس نئے رشتے کو دل سے قبول کرنے میں کتنا وقت لیں گے۔"

اتنے میں کول چائے لے کر اندر آئی اور رُے کے کونے پر کھنکھنے کے بعد گزریا کو لیتا چلا۔

"تو میں اسے مجھے دیں ماموں! آپ چائے پی لیں۔"

"نہ بھی! ہم نہیں پیتے ایسی چائے جس کے بدلے

تم ہماری گزریا ہم سے واپس لے رہی ہو۔"
 انہوں نے کسی ترسے ہوئے نذیدے نیچے کی طرح گزریا کو کھلوٹا جان کے سینے سے دبوچ لیا۔

"میں تو اس لیے کہہ رہی ہوں ماموں کہ یہ آپ کو چائے نہیں پینے دے گی۔"

"تو نہ پینے دے۔ ہم نہیں پئیں گے جو ہماری گزریا کی مرضی۔" وہ اسے خود سے الگ کرنے پہ تیار نہ تھے۔

"دادا تو پوتی کی محبت میں دیوانے ہو گئے ہیں۔" سعیدہ نے ہنس کر کہا پھر کول پہ ایک بھرپور اور پسندیدہ نظر ڈالی۔

سفید ٹنگوں کے ہلکے کام سے سجے ہلکے شیفون کے سوٹ میں تیار وہ بڑی نکھری نکھری سی لگ رہی تھی۔ اس کا سارا حسن اس کی اس سرشاری میں تھا جو اس کے چہرے اور آنکھوں سے برستی تھی۔
 "نہیں جاری ہو؟"

"جی ہاں۔ فرحان کے ساتھ ڈنر پہ جانا تھا۔" "ہاں ہاں ضرور جاؤ۔ گھومو پھرو۔ ماشاء اللہ یہی تو دن ہیں تمہارے کھوٹے پھرنے اور ہنسنے کے بلکہ میں تو کہتی ہوں صرف کہیں باہر جاتے ہوئے ہی پھٹک سے تیار کیوں ہوتی ہو۔ ہر وقت بن سنور کے رہا کرو۔ اچھا لگتا ہے۔"

"جی ہاں جہاں جانا ہے جاؤ گزریا کو یہاں چھوڑ جاؤ۔" حامد صاحب چائے کے کپ میں گزریا کے لیے بسکٹ بھگور رہے تھے کہنے لگے سعیدہ نے یونہی انہیں دیکھنے کے لیے چھیڑا۔

"جانے دیں نا پکی کو۔ سارا دن گھر پہ تنگ ہو جاتی ہوگی۔ ذرا گھوم پھر لے گی۔ کیا چھوڑ رہے ہیں اسے۔" "میں روز شام میں گھر کے لاتا ہوں اسے پارک میں۔ یہ کیا خاک گھما میں گے اپنے پیرپائے میں لگے رہیں گے۔ سوئے بھی یہ تنگ کرے گی دونوں کو۔" "تو ہم نہیں جاتے ماموں! جیسی آپ کی گزریا کی مرضی۔" کول نے شرارت سے ان کی بات ان کی

جانب لوٹائی۔

"ہوں تو باتیں بنانا بھی آئیں گی۔"

حامد مسعود نے مصنوعی غصے سے اسے گھورا۔

"فرحان نے سکھادی ہوں گی صحبت کا اثر ہے۔"

سعیدہ کی بات پہ کول کھلکھلا کے پلٹ گئی۔

"اس نالائق کو اور آنا کیا ہے۔ سوائے باتیں بنانے کے۔"

"خیر ایسا تو مت کہیں۔ اسے گھر بنانا بھی آتا ہے۔ دیکھیں نا عادل نے جو کیا کیا اس کے بعد لگتا تھا کہ اس گھر کی دیواریں پھر یہ خوشیاں دیکھیں گی۔"

حامد مسعود کی مسکراہٹ ایک دم غائب ہو گئی۔
 انہوں نے گلاس وینڈو سے باہر جھانکا۔
 مسکراتا ہوا فرحان کول کے لیے گاڑی کا دروازہ کھول رہا تھا۔

"ننھی بار کہا ہے سعیدہ! یہ ذکر مت کیا کرو میرے سامنے۔ نہ نام لیا کرو اس کا۔"

"آپ مجھ پہ پابندی نہیں لگا سکتے حامد صاحب! عرصے بعد سعیدہ تڑپ اٹھیں ورنہ ہر بار حامد مسعود کی ایسی کسی بات کے جواب میں وہ صرف سر جھکا لیا کرتی تھیں۔

"وہ میری اولاد ہے دو سال سے زیادہ کا عرصہ ہو گیا ہے۔ میں نے اسے نہ دیکھا ہے نہ اس کی کوئی خبر ہے۔ میرا دل پھل رہا ہے اس کے لیے۔"

ان کی آواز آنسوؤں کے ریلے کے آگے کمزور پڑ کے کپکپا اٹھی۔

"اؤ نہ۔ دل۔" وہ استہزائیہ ہنکارا بھر کے رہ گئے۔

"وہ دل جس کی اس نے رتی بھر پروانہ کی۔ سب رشتے توڑ کے بھاگ گیا ایک لڑکی کے لیے جو کسی بھی طرح ہمارے خاندان کے لائق نہیں تھی اور تم اسے اولاد کہہ رہی ہو۔ کیا اولاد یوں بدلہ لیا کرتی ہے جیسے اس نے تم سے لیا۔ تمہیں اس کے لیے اپنے آنسو ضائع کرنے کی ضرورت نہیں ہے سعیدہ بیگم۔"

"بس ایک بار اتنا پتا چل جائے کہ وہ کہاں ہے کیسا

ہے، کس حال میں ہے تو میرے دل کو قرار آجائے گا۔

”اتنے لوگوں کا دل توڑ کے اپنی زندگی بسر کرنے والا کس حال میں ہو سکتا ہے۔“

”بد دعا تو میں اسے۔“

”میں کب چاہتا ہوں کہ اسے کوئی بد دعا لگے۔“

انہوں نے گہری سانس بھری۔

”حالانکہ کام تو اس نے بد دعائیں لینے والا ہی کیا تھا۔ ایک دن کی دھن کو چھوڑ گیا تھا وہ اس یتیم بچی کی

آہ نہ لگے اسے اسی لیے میں نے فرحان سے اس کی شادی کر دی۔ تم کیا سمجھتی ہو کہ ایسا میں نے اپنی بات

بھلنے کے لیے کیا تھا؟ میں تمہاں ہو تو میں بھی باپ ہوں عادل کا۔ میں ڈرتا تھا کہ کوئل کے آنسو بد دعا بن

کے عادل کا پیچھا کریں گے۔ اس لیے چاہتا تھا اس کے آنسو خشک ہو جائیں۔ وہ اپنی نئی زندگی میں اتنی خوش اتنی مطمئن ہو جائے کہ پچھلے سارے دکھ بھی بھول جائے اور دکھ دینے والے کو بھی۔“

انہوں نے پہلی بار سعیدہ کے سامنے دل کا حال کھولا۔

”اب تو اللہ کا شکر ہے۔ سب ٹھیک ہے۔ کوئل بھی سب بھول گئی ہے اور فرحان نے تو خیر اسے کھلے دل سے ہی قبول کیا تھا۔ کبھی کبھی میں سوچتی ہوں شاید

کوئل عادل کے ساتھ اتنی خوش نہ رہتی جتنی فرحان کے ساتھ ہے۔ دونوں جیسے ایک دوسرے کے لیے ہی بنے ہیں۔“

”ہاں یہ تو ہے ماشاء اللہ۔ اللہ نظر بد سے بچائے۔“

”تو پھر یہ سمجھ لیں کہ جو ہوا اچھا ہوا۔ شاید ہی اللہ کی مصلحت تھی کہ عادل کے دل میں یہ بات نہ آجائے۔“

”لگے ہے اسے نکال دیں۔“

جلد مسعود چپ رہا۔

اللہ کو حاضر ناظر جان کے اسے دل سے معاف کر دیں۔ وہ جہاں ہے وہاں خوش رہے۔ یہ دعا دے دیں اسے۔“

سعیدہ نے منت کرتے ہوئے کہا۔

”وہ اثبات میں سہاڑے لگے۔“

”شاید تم ٹھیک کہتی ہو۔ میں نے اسے معاف کیا۔“

میرا اللہ بھی اسے معاف کرے۔ اس کی وجہ سے ہم میں سے جس جس کو جو جو دکھ پہنچا اللہ اس کے وہ سارے قصور معاف کرے۔“

ان کے لہجے کی سچائی نے سعیدہ کو ہلکا سا کرا دیا۔

کال بیل کی آواز نے دونوں کو اس عالم سے نکالا۔

”یہ اس وقت کون آیا؟“

”رحیم ہے ناگیت پر۔“ سعیدہ نے گیٹ کیپر کا نام لیا۔

پھر اگلی بیل گھر کے داخلی دروازے پہ ہوئی جو اس بات کا اشارہ تھی کہ آنے والا کوئی گھر کا فرد یا قریبی ملنے والا ہے جس کے لیے رحیم نے فوراً ہی گیٹ کھول دیا تھا۔

”میں دیکھتی ہوں۔“

سعیدہ چائے کا کپ رکھ کے دروازہ کھولنے اٹھیں اور دروازہ کھولتے ہی وہیں جم کے رہ گئیں۔

یہ وہ عادل نہ تھا جو بڑے طہنٹے اور طمطراق کے ساتھ اتنے بہت سے دل روند کے گیا تھا۔

یہ لٹاپا سا شخص کوئی اور ہی تھا۔

مگر جو بھی تھا۔ لوٹنے والا مسافر تھا تو ان کا جگر گوشہ۔ ان کے بازو اسے سمیٹنے کے لیے فوراً وا ہو گئے۔

”دونوں کو ایک دوسرے کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر روتے دیکھ کر حامد مسعود کے اندر اٹھا طوفان ایک دم ہی بدھم بھم پڑ گیا۔“

”مجھے معاف کر دیں ابو۔ میں بہت شرمندہ ہوں۔“

وہ ان کے پیر تھامے۔ گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھا پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔ اس کے شکستہ ٹوٹے ڈھلے شانے اور آنسو، سعیدہ کے اندر درازیں ڈال رہے تھے۔

”اچھل پھل تو حامد کے سینے میں بھی ہو رہی تھی مگر انہوں نے خود ضبط کے بند باندھ رکھے تھے۔“

”تمہاری شرمندگی اس ذلت کا ازالہ نہیں کر سکتی باپل جو میں نے پورے خاندان کے سامنے سہی کر دی۔“

”وہ میری نادانی تھی ابو۔“

”نہیں۔ وہ تمہاری بد قسمتی تھی۔ تم نے اپنے ہاتھوں سے اس دن اپنے تمام رشتے ختم کر دیے تھے۔ اب کیا لینے آئے ہو۔؟“

”جو لینے آیا ہوں وہی تو گزر گزرا کے مانگ رہا ہوں۔ معافی۔ صرف معافی چاہیے مجھے۔“

”بس بھی کیجئے۔ اتنے سخت نہ بنیں حامد صاحب وہ شرمندہ ہے دل سے معافی مانگ رہا ہے۔“

ان سے بیٹے کا پھچک کے رونا سا نہیں جا رہا تھا۔ خود بھی ہچکیاں لیتے ہوئے اس کی سفارش کرنے لگیں۔

”سعیدہ! اس سے پوچھ، یہ یہاں آتے ہوئے یہ کیسے بھول گیا کہ یہاں سے جاتے ہوئے یہ کیا کر کے گیا تھا۔ کیا وہ سب معاف کرنے کے قابل ہے؟“

”یہ ہمارا بیٹا ہے حامد صاحب! ہمارے پاس نہیں آئے گا تو کس کے پاس جائے گا۔“

وہ اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔ بس نہ چل رہا تھا کہ جس بیٹے کو سدا تا زور زعم سے گردن اٹھائے دیکھا تھا۔ اسے یوں زمین پر گرا دیکھ کے اٹھا کے سینے سے لگا لیں۔

”اسی کے پاس جائے، جس کے لیے ہمیں چھوڑنا تھا اس نے۔“

”وہ میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی تھی ابو۔“

میں بھول گیا تھا کہ اتنے لوگوں کی امیدیں اور خواب توڑ کر بنایا جانے والا گھر کبھی پائیدار نہیں ہوتا، میں سب کچھ چھوڑ کے آپ کے پاس لوٹا ہوں۔“

”یہ تم نے اپنی زندگی کی دوسری سب سے بڑی غلطی کی ہے عادل۔! اس کے لیے ہمیں تو چھوڑنا ہی۔ اور اب اسے بھی چھوڑ آئے ہو۔ تم رشتوں سے دامن کب تک چھڑاتے رہو گے عادل۔“

”وہ رشتہ نہیں تھا ابو۔ وہ ایک فریب تھا۔ مجھے تانیہ کو سمجھنے میں غلطی ہوئی۔ آپ ٹھیک کہتے تھے۔ میرا اور ان کا کوئی جوڑ نہیں تھا۔ نہ میں ان کے خاندان میں کہیں فٹ ہوتا تھا۔ نہ وہ میری تصوراتی بیوی کے خاکے کہیں پورا کرتی تھی۔“

”کاش یہ بات تم پہلے سمجھ لیتے۔“ سعیدہ نے آہ بھر کے کہا۔

”می! کیا اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ کیا مجھ پہ اس گھر کے دروازے پھر سے نہیں کھل سکتے۔؟“

سعیدہ نے آس بھری نظروں سے حامد مسعود کی جانب دیکھا، وہ نظریہ آ کے سوئی ہوئی گڑیا کے گل پہ سے ہل ہٹانے لگے۔

”میں جانتا ہوں ابو۔ اب اس گھر پہ۔ اور آپ کی زندگیوں میں میری جگہ کسی اور نے لے لی ہے۔“

اس نے باپ کی نظروں کے تعاقب میں صوفے پہ کھٹی سوئی بچی کو دیکھا اور کہا۔

”مگر میں۔ میں کہاں جاؤں۔ تانیہ نے مجھے توڑ کے رکھ دیا۔ میں بری طرح بکھر گیا تھا۔ مجھے لگا جیسے اب دنیا میں کچھ بھی باقی نہیں رہا مگر پھر اس گھر کا۔ اس گھر کے رہنے والوں کا خیال آیا تو سوچا شاید

میں ایک بار پھر خود کو سمیٹ لوں مگر۔ شاید میری قسمت میں در بدری نکھی ہے۔“

وہ ہارے ہوئے انداز میں اٹھا۔

اسے فرش سے اس درجہ مایوس اٹھتے دیکھ کے ایک باپ کے دل کو کچھ ہوا وہ بے ساختہ کہہ اٹھے۔

”رکو عادل۔“

سعیدہ نے امید افزا نظروں سے انہیں دیکھا۔

”تم لوٹ آئے ہو تو اس گھر کا دروازہ تمہیں بند نہیں ملے گا۔“

”ابو۔“ وہ پھر سے ان کی قدموں سے لپٹ گیا۔

”نہو۔“ انہوں نے اسے نیچے سے اٹھانا چاہا۔

”نہیں ابو۔ مجھے یہیں رہنے دیجئے۔ آپ نے مجھے معاف کر دیا میرے لیے اتنا کافی ہے۔ میری جگہ یہیں ہے۔ قدموں میں رہنے دیں مجھے سر پر نہ بٹھائیں۔ میں اس قاتل کماں۔“

حامد مسود کا ہاتھ دھیرے سے اٹھا اور اس کے سر پر ٹھہر گیا۔

”تمہیں کیا ہے عادل! تم کس قاتل تھے۔ اس گھر کے بڑے بیٹے ہو تم۔ میری سب سے پہلی امید۔ تم نے اپنی جگہ خود گولی۔“

وہ کہہ رہے تھے جب دروازے کی ہول میں چلائی گھونسنے کی ہلکی سی آواز آئی اور پھر بغیر کسی آواز کے دروازہ کھلا۔



”تم کیوں لوٹے ہو عادل؟“ کیوں آئے ہو۔؟ وہ سب مجھے پھر سے یاد دلانے کے لیے جو میں بہت مشکل سے بھولی ہوں۔

یا پھر تم اس لیے لوٹے ہو کہ تم سے میری خوشیاں برداشت نہیں ہو رہیں۔ تم جانتے ہو گے کہ میری خوشیوں کی زندگی بس تمہارے دور رہنے تک ہی تھی۔ تمہارا اس گھر میں داخل ہونے والا پہلا قدم میری خوشیوں کی موت ثابت ہو سکتا ہے۔ یہ جانتے ہو گے تم تب ہی آئے ہو۔“

اسے اپنے بدن میں عادل کے ناخن کی کھوئی نہیں پھر سے محسوس ہونے لگی۔

وہ کتنی سانسوں کی کاواوری پکڑے۔

محبت کی حدت سے نہیں بلکہ دیوانگی اور نفرت کی پیش کش سے ملتا تھا۔

اس نے خوف سے ہنسنے لگی۔

”کیا ہو؟“

فرحان نے اس کے چہرے پر آئے بال اپنے ہاتھ سے پیچھے کرتے ہوئے پوچھا۔ وہ اپنے خیالات میں اس قدر غرق تھی کہ اسے فرحان کے کمرے میں آنے کی خبر ہی نہ ہوئی۔ اسی لیے وہ بری طرح چونک اٹھی۔

”ہاں میں۔ اور کون ہو گا۔؟“ وہ اس کے برابر بیٹھ گیا۔

”کومل بے دھیانی ہے اسے دیکھ گئی۔“

فرحان نے اس کی آنکھوں کے آگے ہاتھ لہرایا۔

”کومل نے اس کے کانڈھے پہ اپنا سر رکا دیا۔“

”مجھے کھونے مت دینا فرحان۔“

”کیسی باتیں کر رہی ہو کومل۔“ وہ اس کے بال ہلانے لگا۔

”مجھے مت کھونا فرحان۔ خیال رکھنا میرا۔“

”کیسی باتیں کر رہی ہو۔ کیا ہو گیا ہے تمہیں۔“

اس بار اس کے لہجے میں تشویش تھی۔

”مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے فرحان۔“ اس نے اس کی شرٹ کے کالر زور سے تھام لیے۔

”ڈر۔؟ کس سے؟ میں دیر سے آیا اس لیے؟“

وہ چپ رہی۔

”یوں اکیلے میں لائٹس بند کر کے بیٹھو گی تو ڈر لگے گا ہی۔ تم نیچے چلی جاتیں۔ وہاں سب ہیں۔ امی ابو گڑیا عادل بھائی جان۔“

”وہ کیوں ہیں وہاں۔؟“ اس کے لبوں نے سرگوشی کی۔

”کون۔؟ عادل بھائی جان کے بارے میں کہہ رہی ہو؟“

فرحان نے خشک انداز میں پوچھا۔ کومل نے اقرار میں سر ہلایا۔ فرحان کے ایک ایک نقش سے بے بسی چھلنے لگی۔

”کتنی بار سمجھاؤں کومل۔ یہ ان کا بھی گھر ہے۔ امی ابو نے انہیں معاف کر دیا ہے۔ اب۔ اب۔۔۔“

”کیس بھی کر دینا چاہیے۔“

”نہیں یہاں نہیں رہنا چاہیے۔“

اس نے فرحان کا مشورہ نظر انداز کرتے ہوئے اپنی رائے دی۔

”جب امی ابو کو کوئی اعتراض نہیں تو تمہیں کیوں ہے؟“

”کیا تمہیں بھی کوئی اعتراض نہیں ہے؟“

کومل نے کھوجتی نظروں سے اسے دیکھا۔

”مجھے کیوں ہو گا۔ آخر وہ بھائی ہیں میرے۔“

”صرف بھائی۔“ کومل نے شکوہ کرتی نظروں سے دیکھ کے سوچا۔

”کیوں بھول رہے ہو فرحان! وہ صرف تمہارا بھائی نہیں بلکہ تمہاری بیوی کا پہلا شوہر ہے اور تمہیں اس کے اور اپنی بیوی کے ایک چھت کے نیچے رہنے پہ بھی کوئی اعتراض نہیں؟“

”کیا سوچ رہی ہو؟“

”ہی کہ۔۔۔ کہ ان کے یہاں رہنے سے کوئی مسئلہ نہ پیدا ہو جائے۔“

جو بات وہ صرف سوچ سکتی تھی زبان تک لانے کی بہت نہ پیدا ہو رہی تھی۔ اسے کومل نے ڈھکے چھپے انداز میں کہنا چاہا۔

”پلیز کومل۔“ فرحان نے اس کے ہاتھ تھامے۔

”بہت مشکل سے سب کچھ ٹھیک ہوا ہے تم بے کاری کی سوچیں مت پالو۔ دیکھو امی اور ابو کتنے خوش اور مطمئن ہیں۔ ان کا غصہ و فتنہ تھا۔ عادل بھائی کے لوٹنے سے جیسے یہ گھر مکمل ہو گیا ہے۔“

اس نے بے زاری سے سر جھٹکا جو فرحان کو ناگوار گزرا۔

”بھول جاؤ سب کچھ۔ بس یہ یاد رکھو کہ میں تمہارا شوہر ہوں اور وہ تمہارے شوہر کا بڑا بھائی۔ اس رشتے کے حوالے سے تمہیں انہیں عزت دینی چاہیے اوکے؟“

اس نے تکیہ درست کیا اور کروٹ بدل لی۔ کومل خالی خالی نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔

”ایسا پہلی بار ہوا ہے جب تم نے ایک دوست“

ایک محبوب کے بجائے ایک شوہر بن کے مجھ سے بات کی ہے فرحان! کاش تم شوہر بن کے ہی سوچتے کہ یہ صورت حال کتنی نازک ہے۔ مگر اس معاملے میں تم میرے شوہر نہیں، عادل کے بھائی بن کے جذباتی ہو رہے ہو۔“



”آج فرحان نے بہت دیر کر دی۔“

میچ دیکھتے دیکھتے حامد مسعود نے وال کلاک کی جانب نظر کی تو تشویش سے کہنے لگے۔

”جی ہاموں۔ انہیں کسی فارن ڈیلی گیشن کو ہائی ٹیپ لے کر جانا تھا۔“ کومل نے اطلاع دی۔

”بھئی عجیب دستور ہو گئے ہیں کاروبار کے۔ ایک زمانے میں کاروبار لو۔ اور وہ۔ اس بنیاد پہ چلا کرتا تھا اب تو کھلاؤ پلاؤ اور کاروبار کرو۔ یہ اصول ہو گیا ہے کبھی ڈنر کرائے جارہے ہیں کبھی ہائی ٹی۔ کبھی بھور بن میں دو دن کے لیے بکنگ کرانی جارہی ہے۔ کاروباری تعلق ہے۔ اسے کاروباری رہنا چاہیے۔ اتنی آؤ بھگت تو بھلے زمانوں میں لوگ سمجھوں گی کیا کرتے تھے۔“

ان کی بات پہ کومل بے ساختہ ہنس دی۔

”آپ بھی ناہاموں۔“

اس کی ہنسی سامنے سے آتے عادل کو دیکھ کر سہم گئی۔ عادل نے اس کے مقابل بیٹھتے ہوئے بغور اس مسکراہٹ کو سمجھتے اور ہونٹوں کی اوٹ میں چھپتے دیکھا۔

”میچ دیکھا جا رہا ہے۔؟“

اس کے سوال کا جواب کومل نے شاید اس لیے نہیں دیا کہ وہ دینا ہی نہیں چاہتی تھی۔ سعیدہ نے اس لیے نہیں دیا کہ وہ نہ میچ سے دلچسپی رکھتی تھیں نہ اس کے متعلق باتوں سے اور حامد مسعود نے اس لیے توجہ نہ دی کہ ان کی ساری توجہ گڑیا کی جانب مبذول ہو چکی تھی۔ مگر عادل نے اس بات کو بری طرح محسوس کیا۔

”چائے پوگے عادل؟“

سب سے پہلے سعیدہ نے ماحول کی کشیدگی کو محسوس کیا۔
 ”کیوں نہیں امی۔“ اس نے زبردستی کی بشارت چہرے پہ پیدا کرنے کی کوشش کی۔ ”آپ کے ہاتھ کی چائے ہو اور میں انکار کروں؟“
 ”اب کہاں میرے ہاتھ کی چائے۔ میں تو جیسے سب کچھ بھول گئی ہوں کوئل اب مجھے کچھ کرنے ہی نہیں دیتی۔ جاؤ کوئل سب کے لیے چائے بنا لاؤ۔“
 ”ارے نہیں نہیں۔ رہنے دو۔“ کوئل کو اٹھتے دیکھ کر عادل نے تکلف سے کہا۔
 ”تم کیوں تکلیف کرتی ہو؟“
 ”تکلیف کیسی؟ میں اس وقت روزی چائے بناتی ہوں۔“

اس نے بچن کی جانب جاتے جاتے خشک انداز میں کہا۔
 ”اب تو پوتی میں ہی مگن رہتے ہیں۔“
 عادل نے چند سیکنڈ تک خاموشی کو محسوس کرنے کے بعد بولنے میں پہل کی۔ حلد اسے معاف بھی کر چکے تھے اور گھر میں رہنے کا اذن بھی دے چکے تھے مگر اب بھی اس سے زیادہ کھلتے نہیں تھے۔
 ”جان سے یہ میری۔“ انہوں نے اس کا ہاتھ چوما وہ قلعاری مار کے ہنس پڑی۔
 ”گد گدی بہت ہوتی ہے اے۔“
 وہ ہنس دے اور اس کی قلعاریاں سننے کے لیے مزید گد گدانے لگے۔
 ”مجھے دیکھتے دورا۔“

عادل نے بڑھ کے اسے گود میں لینا چاہا۔
 ”ارے۔ یہ تو بالکل بلکی بھلی ہے۔ ذرا سی بالکل

بھول چھٹی۔“ اس نے گڑیا کو بازوؤں میں بھلائے ہوئے لہا اور اسی وقت نجاب نے اسے کہا ہوا کہ وہ چچا کے رومے گئی۔ حلد بے چینی سے اٹھے۔
 ”راہ دیا نا۔“ اور گڑیا کو واپس اس سے لے لیا۔
 وہ بچل ہوئے رہ گیا۔

”میں تو بس۔ پتا نہیں کیوں رو پڑی۔“
 ”بیٹا! وہ مانوس نہیں ہے نا تم سے۔“ سعیدہ بھی پوتی کو بھلانے کے لیے آگے بڑھیں اور عادل کی خجالت اپنی دانست میں کم کرنا چاہی۔
 ”اسی لیے رو دی ہوگی۔ بچہ اجنبی لوگوں سے گھبراتا ہی ہے۔“
 ”اجنبی۔؟“ وہ بڑبڑایا مگر اس کی جانب توجہ دینے کی فرصت ہی کے بھی۔ وہ دونوں گڑیا کو بھلانے میں مصروف تھے۔
 کوئل چائے لے کر آئی۔ ٹرے نیبل پر رکھ کے اس نے باری باری حلد اور سعیدہ کو ان کے کپ تھمائے۔ تیسرا کپ لے کر وہ عادل کی جانب بڑھی۔ عادل نے کپ تھمانے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا اور اس کا ہاتھ آگے ہی بڑھا رہا گیا۔ کوئل نے کپ سائیڈ نیبل پر رکھ دیا تھا۔

عادل نے لب بھینچ کر اسے دیکھا جو فلور کشن پہ اپنا کپ لے کے بیٹھ چکی تھی۔ اس کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔ جیسے وہ یہاں موجود ہی نہ ہو۔ پھر اچانک آن کی آن میں عادل نے اس بے رنگ چہرے پہ رنگوں کے میلے سجے دیکھے۔
 ”فرحان آگئے۔“ ہارن کی آواز پہ وہ انٹھی اور تیز تیز قدموں کے ساتھ چلتی باہر کی جانب چلی گئی۔
 کچھ دیر بعد عادل کا تقبہ سنائی دیا اور پھر وہ دونوں اندر آتے دکھائی دیے۔
 ”کبھی کبھی تو مجھے ایسا لگتا ہے جیسے میں آفس سے نہیں اسکول سے گھر آیا ہوں اور میری اسکول بس کا ہارن سنتے ہی امی بھاگ کر باہر آئی ہوں۔ میرا بچہ آگیا۔ میرا لال۔“

وہ ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا اور کوئل جھینپ کر مسکرا رہی تھی۔
 ”یقین کریں امی! کبھی کبھی مجھے شک ہونے لگتا ہے کہ یہ میری بیوی ہی ہے یا آپ نے میرے لیے ایک خوبصورت گورلس رکھی ہے۔“
 ”زیادہ بڑھ چڑھ کر مت بولو۔ ایسی خیال رکھنے

ان ہوی کسی کسی کو ہی ملتی ہے۔“
 عادل نے کپ زور سے میز پر پٹا۔ آدھے بھرے کپ میں سے چائے چھلک گئی۔ اس کے باوجود کسی نے اس حرکت کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔ گڑیا اب فرحان کی گود میں تھی۔ وہ اس سے اپنی توپکی زبان میں باتیں کر رہا تھا کوئل اسے دن بھر کی رو داو سناتی جا رہی تھی۔
 ”اللہ کا شکر ادا کرو لڑکے۔! آج کل اس ماڈل کی بیویاں بنی رہ رہتی ہیں۔“
 حلد مسعود نے شرم دلانے والے انداز میں کہا۔
 ”یہ آخری پیش شاید میرے لیے ہی بچا تھا۔“ وہ ہی ہنسنے لگا۔
 ”ہاں، قسمت اچھی تھی تمہاری۔“ سعیدہ نے کہا۔

عادل ایک جھٹکے سے اٹھا۔
 ”کیا ہوا؟ چائے نہیں پی۔“
 ”ٹھنڈی ہوئی پڑے پڑے۔“ اس نے خشک لہجے میں کہا۔
 ”اور بنواؤں؟“

”نہیں۔ ضرورت نہیں ہے۔“ وہ کہہ کر مڑا اور پیرھیوں کے نزدیک پہنچ کر مڑ کر دیکھا۔
 ”میری طرح۔ میری ضرورت بھی کسی کو نہیں۔“
 اس نے سب کو ایک دوسرے میں مگن دیکھ کر سوچا، کسی نے اسے رکنے کے لیے نہیں کہا تھا۔

”شاید میں نے واپس آکر غلطی کی ہے۔“
 اپنے کمرے میں آنے کے بعد اس نے سوچا۔
 ”اب یہاں میری کوئی جگہ نہیں بن پارہی۔ ان دو سالوں میں سب نے اس گھر کے کونے کونے کو بھر دیا ہے۔ مجھے معافی مل گئی۔ مگر جگہ شاید نہ ملے۔ گھر میں بھی نہیں اور کسی کے دل میں بھی نہیں۔“
 وہ آزدگی سے سوچنے لگا۔

پچھلے تین چار دن سے یہی ہو رہا تھا۔ وہ سب کے درمیان ہوتا بھی تو نہ ہونے کے برابر نہ ہوتا تب بھی کسی کو اس کی کمی محسوس نہیں ہوتی تھی۔ وہ سب اس کی غیر موجودگی کے عادی ہو چکے تھے۔ مگر وہ جس نے ہمیشہ مرکز نگاہ بن کے زندگی گزار رہی تھی۔ ہمیشہ خود کو اولیت ملتے دیکھتا رہا۔ وہ اس بے وقعتی کا عادی نہ ہو پارہا تھا۔

جب تک وہ اس گھر میں رہا تھا فرحان کا درجہ دوسرا ہی رہا۔ وہ تھا بھی دوسرے نمبر پر۔ اور عادل نے ماں باپ کی ساری توجہ بٹورتے ہوئے اسے دوسرے نمبر پر ہی رکھا۔ مگر اب اس کا ایک اقدام اسے دوسرے تو کیا تیسرے چوتھے درجے سے بھی نیچے لے آیا تھا۔ فرحان نے اس کی جگہ حاصل کر لی تھی۔ وہ اب کسی کو نظر نہیں آتا تھا۔

”جب مجھے پتہ چلا تھا کہ ابو کے حکم پہ تم نے بلاچوں چرا کوئل سے شادی کا فیصلہ کر لیا ہے تو مجھے بڑی حیرت ہوئی تھی۔ آخر کیا تھا اس عام سی شکل و صورت اور اوسط ذہانت والی تینم و یسیر لڑکی میں۔ جو ہمارے ہی باپ کے ٹکڑوں پہ بی بی تھی۔ ہمارے ہی گھر کے ایک کونے میں دبی رہتی تھی۔ اور جس پہ اب طلاق یافتہ کا لیبل بھی لگ چکا ہے۔ پھر میں نے سوچا کہ ابو کے ڈر سے تم نے ہاں کر دی ہوگی۔ لیکن اب سمجھ میں آ رہا ہے کہ یہ شادی نہ تم نے خوف زدہ ہو کر کی تھی۔ نہ ہمدردی کے جذبے سے مغلوب ہو کر اور نہ ہی کسی اور وجہ سے۔ یہ تم نے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کیا تھا۔ فرحان! تم میری جگہ لینا چاہتے تھے۔ کوئل سے شادی کر کے ابو کی نظروں میں غلطی م تر بننا چاہتے تھے۔ تم نے جو کرنا چاہا، وہ کر کے رہے۔ اپنے مقصد کو حاصل کرنے میں کامیاب رہے تم۔“

عادل نے تنفر سے سوچا۔
 اسے رہ رہ کے کوئل کا وہ چہرہ یاد آتا رہا جس پہ فرحان کی آمد کے محض تصور سے ہی قوس قزح بکھر گئی تھی۔
 ”اور کبھی یہ رنگ میرے لیے مخصوص تھے۔“

اسے سالوں پہلے کی بات یاد آئی جب امی نے اپنی اس خواہش کا باضابطہ اعلان کر دیا تھا کہ وہ کوئل کو اس کی دہن بنانا چاہتی ہیں۔ کوئل تب کلج میں پڑھتی تھی۔ عادل کی زندگی میں بھی اس وقت تک تانیہ کی آمد نہیں ہوئی تھی اس کے باوجود کوئل سے اس نے رشتے کا تعین ہونے پر اس نے اپنے دل اور جذبات میں کوئی واضح تبدیلی محسوس نہیں کی۔ کوئل کا معاملہ اور تھا۔ اس کی نظریں اس کا ہر تاؤ سب بدل چکا تھا۔ وہ یونیورسٹی سے بھری دھڑ میں گھر لوٹا تو کوئل ہی کچن میں توڑے کے نیچے آج بکلی کیے اس کا انتظار کر رہی ہوئی کہ اسے تازہ روٹی پٹا کے دے۔

اس کے اندر داخل ہوتے ہی وہ جھپاک سے سامنے آجاتی۔ شربت کا جگ لے کرے میں جاتا تو تولیہ صاف اور استری شدہ کپڑے سامنے رکھے ہوتے۔ شاور لے کر نکلتا تو ٹیبل پہ گرم گرم اور اس کی پسند کا کھانا رکھا ہوتا۔ وہ یہ سارا وہی آئی بی پروڈکٹوں کے بڑے حق سے وصول کرتا اور ایک بار بھی نظر اٹھا کے یہ سب کرنے والی کسی شرمیلی آنکھوں کی تحریر پڑھنے کی کوشش نہ کرتا۔

پھر تانیہ آئی اس کی زندگی میں۔ اور سب بدل گیا۔ اسے لگا۔ زندگی کی سب سے بڑی ضرورت وہ بیوی نہیں جو وقت پہ گرم کھانا اور صاف لباس مہیا کرے۔ بلکہ وہ بیوی ہے جو کھانا اور کپڑا خریدنے کے لیے مال مہیا کرے۔ تانیہ جس طبقے سے تعلق رکھتی تھی اس حوالے سے عادل کو توقع نہیں تھی کہ وہ اس کا سہارا پائے دونوں میں سالوں کی ترقی حاصل کر لے گا۔ مگر سالوں کی ترقی پانے کا خواب خواب ہی رہا۔ کیونکہ تانیہ اس کے ساتھ سالوں نہیں بلکہ دنوں کے ساتھ کا حوصلہ رکھتی تھی۔ عادل نے ہمیشہ خود کو یہ یاد کر لیا کہ اس کی آواز میں لاٹیف پارک کے غار کے کوئل کی آواز کی طرح تانیہ جیسی عورت فٹ نہیں ہے۔ مگر حقیقت تو یہ ہے کہ ایک ملکل کا ہے کی طرح لاٹیف ہی خدائیت گزار اور ہاں جی ٹائپ بیوی اس کی ہڈیوں تک میں سرائیت کر چکی تھی۔ وہ تانیہ کے حوالے سے تمام ہوتا۔

مراسلات بھی حاصل کرنا چاہتا تھا اور اس سے بیوی کوئل تازہ برداریاں بھی اٹھوانا چاہتا تھا جس سے ظاہر ہے کہ تانیہ نے انکار کر دیا۔

بیوی بھی ہاتھ سے گئی۔ ملازمت بھی۔ دل اس طرح ٹوٹا کہ ہمت تک نے جواب دے دیا اور وہ اپنے بکھرے ہارے وجود کو کمرچیوں میں سیٹھ اس گھر میں لوٹا کہ شاید کوئی اپنی محبت سے ان زخموں کا مداوا کر سکے۔ مگر وہ اپنی کم ظرفی کی وجہ سے خود اپنے زخموں پہ حسد کا نمک چھڑکنے لگا۔ زخم مندمل ہونے کی بجائے ناسور بننے لگے۔

جتنا دھواں اس کے اندر تھا اس سے کہیں کم وہ سگریٹ کے ذریعے پھونک چکا تھا اس کے باوجود کمرے میں دھوئیں کی بائیں اور ٹھنڈی اس قدر بڑھ گئی کہ خود اس سے اندر نہ رہا کیا۔ وہ ٹیرس کی جانب کا دروازہ کھول کے وہاں آیا۔

سگریٹ کو ایک کش لگاتے ہوئے اس نے ٹیرس میں کھلنے والے دوسرے دروازے اور کھڑکیوں کو دیکھا جو فرحان کے کمرے کے تھے۔ اسے یاد آیا۔ ایسی ہی ایک رات اسی ٹیرس پہ کھڑے اس نے امی کی باتیں سنی تھیں اور غیض و غضب سے نڈھال ہو کر اس نے اس دہن کی پور پور نوچ ڈالی تھی۔ جس کا چہرہ تک احتجاجاً نہ دیکھنے کی قسم کھا چکا تھا۔

غیر ارادی طور پہ وہ آگے بڑھا۔ "یار۔! یا تو تم میک اپ نہ کیا کرو۔ یا پھر رات کو اسے صاف نہ کیا کرو۔ مجھے ایسا لگتا ہے جیسے میری دودھ بیویاں ہیں۔"

فرحان کی شوخ آواز باہر تک آئی۔ "کیا۔ کیا۔ فرحان باز آجاؤ اپنی ان دل جلانے والی باتوں سے۔"

کوئل کو یہ دل دہلانے والا میک اپ کرنا نہ چھوڑنا۔ "جائے تم سے بات نہیں کرتی۔" "جے۔؟ ہائے خوشی سے مرنے جاتے۔ اگر اعتبار کرنا۔"

فرحان کی جان۔ "وہ جھنجھلا رہی تھی۔" اور اس جھنجھلاہٹ پہ شاید اسے پیار آ رہا تھا۔ پھر بائیں سرگوشیوں میں۔ اور قہقہے دھیمی دھیمی آواز میں۔

عادل ہونٹوں میں سلگتا سگریٹ لیے خود بھی ہنسا۔

پہلے تھک گئے؟ "ہیں تھک کر رہے کرتے ہاتھ ہوئے رکا تو پاس سے وہ جا لنگ کرتے تھے۔" "تھم کر سوال کیا۔" "کہاں گئی آپ کی وہ فٹ نیس اور اسٹینا جس پہ میں رشک کیا کرتا تھا۔"

"لگتا ہے تمہاری نظر ہی کھا گئی۔" عادل نے پھولی سانسوں کے ساتھ اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ لہجہ سلگ رہا تھا جسے فرحان کی لالچیلی طبیعت نے محسوس نہ کیا۔ وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

"امی کہتی ہیں پیار کی نظر نہیں لگا کرتی اور اپنوں کی تو کبھی بھی نہیں لگتی۔"

"لگ جاتی ہے۔" عادل معنی خیز انداز میں مسکرایا۔

"کبھی کبھی اپنوں کی نظر میں آنا بھی خطرناک ثابت ہوتا ہے۔"

"ایک راؤنڈ اور ہو جائے؟" "نہیں یار۔ میں تھک گیا ہوں تم جاؤ۔" "آپ بابے ہو گئے ہیں عادل بھائی۔" "وہ بھی اس کے نزدیک بیٹھ گیا۔" "عمر میں مجھ سے بس تین چار سال بڑے ہیں مگر حکمن ابووالی خود پہ سوار کر لی ہے۔" "وہ شعر سنا ہے تم نے۔" "عادل نے کہا۔" "سلوٹیں ہیں میرے چہرے پہ تو حیرت کیسی زندگی نے مجھے تم سے کچھ زیادہ پہنا

"اوتے ہوئے۔ شعرو شاعری یہ تو کیا پلٹ ہو گئی۔" "ہاں کیا پلٹ سب کچھ بدل گیا ہے۔ جیسے دو سال بعد عادل مسعود نے دوسرا جنم لے لیا ہو۔ نہ پرانا میں نہ پرانے میرے رشتے سب کچھ بدلا ہوا ہے۔" عادل کی افسردگی نے فرحان کو سنجیدہ ہونے پہ مجبور کیا۔ "سب کچھ ویسا ہی ہے عادل بھائی۔! اس نے عادل کے شانے پہ ہاتھ رکھ کے کہا۔ "آپ بے کار کی باتوں سے اپنا پیچھا چھڑائیں اور خود کو مصروف رکھا کریں۔ کل سے آپ میرے ساتھ آفس جانا شروع کر دیں؟" اس مشورے پہ عادل نے اسے عجیب سی نظروں سے دیکھا۔ "او۔۔۔ میں تو بھول ہی گیا کہ ابو کے بزنس میں آپ کو کبھی بھی انٹرسٹ نہیں رہا۔ اپنی دے۔ آپ جاب کے بارے میں۔" "مگر عادل نے تیزی سے اس کی بات کاٹ دی۔ "ابھی مجھے آئے ایک ہفتہ ہوا ہے فرحان۔ اتنی جلدی میں تمہیں بوجھ لگنے لگا۔" "کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ میں تو آپ کا دھیان پٹانے کے لیے کہہ رہا تھا۔ آگے جیسی آپ کی مرضی۔" "سوری یار۔! عادل نے اچانک لہجہ بدلا۔ "پتہ نہیں کیوں میں اتنا بخ ہو جاتا ہوں۔ تانیہ نے میرا اختیار کچھ اس طرح توڑا ہے کہ اب کسی کی بھی محبت پہ یقین کرنے کو جی نہیں چاہتا۔" "کوئی بات نہیں۔ ہو جاتا ہے۔" وہ مسکرایا۔ "نہیں یار مجھے ایسے بات نہیں کرنا چاہیے تھی۔ میں تو تمہارا مجرم ہوں۔ شرمندہ ہوتا رہتا ہوں۔ تمہارے سامنے کہ میری وجہ سے تمہیں اتنی تکلیف اٹھانا پڑی۔" "مجھے؟ میں سمجھا نہیں۔" "میری خود غرضی کی وجہ سے ہی تمہیں۔ میرا

جھوٹ موٹ کے آنسو ہاؤں؟“ وہ اب بھی غیر سنجیدہ تھا۔

”میں۔۔۔“ وہ جھجکا۔ ”میں چاہتا ہوں تم خوش رہو۔ میری وجہ سے تمہیں جو تکلیف ہوئی ہے۔ میں اس کا ازالہ کرنا چاہتا ہوں۔“

فرحان اس کی بات پوری طرح سے نہ سمجھ سکا اس لیے شانے اچکا کے رہ گیا۔

”میں خوش ہوں بھئی، کسے یقین دلاؤں آپ کو؟ اور خوش کیسے رہتے ہیں؟ چلیں چھوڑیں فضول کی باتیں۔۔۔ آپ کو اپنے دل پہ کوئی بوجھ رکھنے کی ضرورت نہیں۔“

”مگر۔۔۔“ جھنجھلاہٹ کے مارے عادل کا برا حال تھا۔

”پھر بھی آپ کی تسلی نہیں ہوتی تو یہ دیکھیں۔ میں جھک کر آپ کا شکریہ ادا کر رہا ہوں کہ اے میرے عظیم بھائی۔۔۔ آپ نے عین دلچسپی والے دن گھر سے بھاگ کر میری زندگی پہ انجانے میں ایک بہت بڑا احسان کر دیا تھا اور مجھے بغیر مانگے وہ دے دیا جس کے بغیر شاید میری زندگی ادھوری تھی۔ اب خوش ہیں آپ؟“

اس نے مسکرا کے عادل کو دیکھا۔ جو کوشش کرنے کے باوجود نہ مسکرا سکا۔



کومل نے دوبارہ ہلکی سی دستک دی۔ کوئی جواب نہ آنے پہ اس نے دروازے کی تاب پہ ہلکا سا دباؤ ڈال کے تھوڑا سا دھکیلا۔ اور کھلے دروازے کے پار مکمل سکوت تھا۔ عادل کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ پھر واش روم کے بند دروازے کی پیچھے سے پانی گرنے کی ہلکی ہلکی آواز سنائی دی۔

اس نے ایک طمانیت بھرا سانس لیا اور قدرے بے جھجک ہو کر اندر چلی آئی۔ اس کے ہاتھ میں چار پانچ بیگرتھے جن پہ عادل کے ڈرائی کلین ہو کر آئے سوٹ لٹکے تھے اور جو سعیدہ نے اسے اوپر پہنچانے کے

مطلب ہے کہ نہ میں تانیہ کی وجہ سے یہ گھر چھوڑنا نہ ابو خاندان کے سامنے اپنی ناک اونچی رکھنے کی خاطر تمہیں قربانی کا بکرا بناتے۔ جو ہوا میری وجہ سے ہوا۔“

”ایسا کچھ نہیں ہوا بھائی جان۔“ فرحان کے لہجے میں ناگواری در آئی۔

”میں سمجھتا ہوں فرحان۔“ عادل نے ہمدردی جتائی۔

”سب سمجھ سکتا ہوں۔ تم نے اپا کی خاطر یہ کڑوا گھونٹ پیا ہے۔ اس گھر کے لیے بہت بڑی قربانی دی ہے۔“

”پتا نہیں آپ کیا کہہ رہے ہیں۔“ وہ آگے اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر مسکرا کے معاملے کی گنجھیر تارکم کرنی چاہی۔

”ٹھیک ہے میں نے یہ شادی ابو کے کہنے پہ کی تھی مگر یہ قربانی وغیرہ ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔“

عادل نے اس کی بات کو قطعاً اہمیت نہ دیتے ہوئے اپنا ہمدردانہ بیان جاری رکھا۔

”تمہارے بھی تو کچھ خواب ہوں گے۔ کچھ امیدیں ہوں گی۔ شاید تم کسی کو پسند کرتے ہو گے۔ کوئی آئیڈل ہو گا۔ مگر صرف میری ایک غلطی کی وجہ سے تم چھس گئے۔ تمہیں اچھی سے اچھی ٹیلی کی خوبصورت لڑکی کا رشتہ مل سکتا تھا۔ مگر تمہیں ایک عام شکل و صورت کی معمولی سی اور خود سے عمر میں بڑی لڑکی سے شادی کرنا پڑی۔“

کومل کے بارے میں ان الفاظ کا استعمال اسے حقیقتاً تکلیف ہوئی۔

”وہ کوئی آٹھ دس سال بڑی نہیں ہے۔ اتنے سے فرق کو میں اہمیت نہیں دیتا ویسے بھی ذہنی ہم آہنگی کے آگے عمر کا معمولی فرق کوئی معنی نہیں رکھتا۔“

”بس بھی گریو یا۔“ عادل جھنجھلایا۔

”مجھ سے چھپاؤ گے اپنے دل کا حال۔ میں ہوں کہ اس گٹ سے مر رہا ہوں کہ میری وجہ سے تمہیں۔۔۔ اور تم نہی میں بات اڑا رہے ہو۔“

”تو اور کیا کروں؟“ آپ کے کاندھے سے لگ کر

لے دیے تھے عادل کے کمرے میں آتے ہوئے وہ
جنگ بھی رہی تھی اور خوف زدہ بھی تھی لیکن انہیں
انکار بھی نہ کر سکی۔

وہ بیڈ پہ ہی کپڑے احتیاط سے رکھنے لگی۔ الماری
کھولنا اسے مناسب نہ لگا۔ اچانک اسے اپنی پشت پہ
کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ اس نے مڑ کے دیکھا۔
وہ ہاتھ گاؤں میں بلبوس تولیے سے اپنے بال خشک
کر رہا تھا۔

کومل نے نظریں چراغ میں اور ہاتھ میں پکڑے دو
ڈنگروں کے توں بیڈ پہ ڈھیر کر دیے۔

”عرسے بعد تمہیں اس کمرے میں دیکھ کر اچھا
لگا۔“ اس کی سرگوشی نے کومل کے ماتھے پہ ایک
بل نمایاں کر دیا۔

”آپ کے کپڑے لاندڑی سے آئے تھے مائی کے
کنے پہ وہ رکھنے آئی تھی مجھے نہیں پتا تھا کہ آپ۔“
وہ جانے کے لیے بڑھی۔

”رک کو کومل۔“
وہ رکی گرائے جیسے رکنا منظور نہ ہو اس نے مڑ کر
دیکھنا تک گوارا نہ کیا۔

”فرحان کو آفس جانے میں دیر ہو رہی ہوگی۔ وہ میرا
انتظار کر رہا ہوگا۔“

”تو کرنے دو انتظار۔ انتظار کا بھی ایک الگ مزہ
ہوتا ہے۔ مگر تمہیں کیا پتا۔“ وہ اس کے نزدیک
آیا۔

”تم نے یہ مزا لیا ہی نہیں۔ تم تھوڑا انتظار نہیں
کر سکتی تھیں کومل؟“ اس کا بھرپور جھل ہوا۔

”آپ۔ آپ۔ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟“
”تمہیں میرا کچھ انتظار تو کرنا چاہیے تھا کومل۔“

”تمہیں تو مجھ سے محبت کا دعوا تھا۔“
”آپ کو اب بھی محبت تھی؟“

”کیوں۔؟“
”کیونکہ یہ کہہ کر میں آپ کی گولی بولی ہوں۔“

اور وہ کسی اور گولی اور نہیں آپ کا بھائی ہے۔“
اس نے پر زور انداز میں کہا۔

”اس میں میرا کیا قصور ہے۔؟“ عادل نے انہماں
بن کے اپنے شانے اچکائے۔

”یہ تمہاری چوائس تھی۔ نہ کرتیں تم میرے بھائی
سے شادی مگر تم سے تو وہ دن انتظار نہ ہوا۔“

”انتظار۔؟“ وہ مڑی اور طنزیہ انداز میں اسے
گھورا۔

”شادی کے چوتھے دن ملنے والے طلاق نامے کے
بعد کیا انتظار کی گنجائش رہ جاتی ہے؟“

”وہ طلاق میں نے دی نہیں تھی کومل۔ مجھ سے
مانگی گئی تھی۔ ورنہ میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ تم
تھوڑا انتظار تو کرتیں۔ میں لوٹ ہی آتا اب بھی تو لوٹنا
ہوں۔“

”کتنے خود غرض ہیں آپ۔ ہر تعلق توڑ کے
جاتے ہوئے بھی اپنے لیے روزن کھلا چھوڑنا چاہتے
تھے۔ مجھے انتظار کی سولی پہ چڑھا کے۔“

”شاید تمہاری محبت میں وہ اثر ہی نہیں تھا کومل۔
ورنہ تم انتظار ضرور کرتیں۔“

”وہ محبت نہیں تھی۔“ کومل نے نظر چرا لیا۔
”اوپر تو پھر کیا تھا۔؟ دل لگی۔؟ فلتر۔؟“

پھر وہ قہقہہ لگا کے ہنس پڑا۔
”مجھے یقین نہیں آ رہا کہ یہ کومل جسے میں بچپن
سے جانتا ہوں یہ ڈری سہمی۔ شرمیلی گھبرائی سی کومل
یہ سب بھی کر سکتی ہے؟“

”میں آپ سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔“
”وہ تیزی سے دروازے کی جانب بڑھی مگر عادل
سمانے آیا۔

”مگر میں کرنا چاہتا ہوں مجھے میرے سوال کا جواب
چاہیے۔“

”پلیز میرا راستہ چھوڑیے۔“
”میں نے تو پہلے بھی تمہارے ایک مطالبے پہ
تمہارے لیے راستہ چھوڑ دیا تھا۔“

”میں نے کوئی مطالبہ نہیں کیا تھا۔“ وہ بے بسی
سے رو پڑی۔

”وہ ماموں کا فیصلہ تھا۔ انہوں نے ہی آپ سے
...

طلاق دینے کا کہا اور انہوں نے ہی فرحان سے
شادی۔“

”میں جانتا تھا کومل۔“ عادل نے اس کی بات
پوری نہ ہونے دی۔ ”میں جانتا تھا تم مجبور ہوگی ورنہ
تم ایسا کیسے کر سکتی تھیں۔ تمہارے بس میں ہوتا تو تم
میرے انتظار کرتیں۔“

”آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔“ اس نے اپنے آنسو
صاف کیے۔

”میں نے بتایا تھا نا کہ وہ محبت نہیں تھی۔ وہ بھی
ماموں کے فیصلے پہ میری رضامندی تھی۔ بچپن میں
باندھے رشتے کی کشش بھی اور بس۔“

”مگر اب میں اس کشش کا کیا کروں جو مجھے باندھ
رہی ہے۔“

”اپنے دماغ کا علاج کروائیے۔“
وہ غصے سے پھنکار کے چلی گئی۔

”مگر اب میں اس کشش کا کیا کروں جو مجھے باندھ
رہی ہے۔“

عادل کے فحشے نے کومل کا دماغ بھک سے اڑا
کے رکھ دیا تھا۔

”وہ اس کی جرأت پہ دنگ تھی۔ ایک لاوا سا اس
کے اندر ابل رہا تھا۔ اسی تپتے بھڑکتے مزاج کے ساتھ وہ
دھڑ دھڑ پیڑھیاں اترتی نیچے آئی تو فرحان کو اپنا منہ
پایا۔

”یار! تمہیں پتا تو ہے کہ میں تمہیں دیکھے بغیر
آفس نہیں جاتا پھر کہاں رہ گئی تھیں تم؟“

”میں۔ میں وہ۔۔۔ مجھے تم سے ایک بات کرنا ہے
فرحان۔“

اس نے اچانک فیصلہ کر لیا۔ اسے سب کچھ
بتانے کا۔ بہتر تھا کہ وہ عادل کی جسارت اور اس پیش
قدمی کا بھی سے سد باب کر لیتی ورنہ یہ صورت حال
آگے جا کے مزید خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔

”یار! میں پہلے ہی لیٹ ہو چکا ہوں۔ بات دات اگر
...

سنوں گا۔ اس وقت تو ایک پیاری سی اسمگل چاہیے
نا کہ میں آفس کے لیے نکلوں۔“

”مگر میرے لیے ابھی اور اسی وقت یہ بات کرنا بہت
ضروری ہے فرحان۔“

”کومل بیٹا! عادل کے لاندڑی سے آئے کپڑے اس
کے کمرے میں رکھوا دیے۔؟“

سعیدہ نے اپنے کمرے سے کچن کی طرف جاتے
جاتے اسے فرحان کے نزدیک کھڑے دیکھا تو وہیں سے
پکار کے پوچھا۔

”مائی۔! میں وہی دے کر آرہی ہوں۔“
وہ کچن میں چلی گئیں۔ کومل نے کچھ کہنے کے لیے
لب کھولے۔ مگر فرحان اس کے شانوں پہ دونوں ہاتھ
رکھے محبت بھرے انداز میں کہہ رہا تھا۔

”میں خوش ہوں کومل کہ تم نے عادل بھائی کی
طرف سے اپنا دل صاف کر لیا ہے اور انہیں اس گھر
میں قبول کر لیا ہے۔“

وہ بے بسی سے اسے دیکھتی رہ گئی۔
”تھینک یو سوٹ ہارٹ۔ بائے بائے۔“

وہ ہولے سے اس کے گال تھپتھپا کے چلا گیا۔
کومل کو ایسا لگا جیسے کنکریٹ کی مقبوط چھتوں کا بوجھ
اس اکیلی کے ناتواں کاندھوں پہ آن گرا ہو۔

”کومل بیٹا۔! کھانا تو تم ہمیشہ ہی اچھا بناتی ہو۔ مگر
آج تو کمال کر دیا۔ کیوں سعیدہ؟“

حامد مسعود نے کھانے کی نمبل پہ تعریف کرتے
ہوئے کہا۔

”واقعی۔۔۔ ہماری کومل کے ہاتھ میں ذائقہ بہت
...

”اور کریں تعریفیں۔ میں بھی کب سے سوچ رہا تھا
کہ کومل کا ویٹ بڑھنے کی وجہ کیا ہے۔ اب پتا چلا کہ
یہ آپ کی تعریفیں سن سن کر پھولے نہیں سارہی
ہے۔“ فرحان نے چھیڑا۔

”مت جنگ کیا کرو اسے۔ بہت بری عادت ہے
...

...

...

...

تمہاری جب وکھواس کا مذاق اڑاتے رہتے ہو۔“

آپ؟ لگتا تو نہیں ہے کہ کتاب پڑھ رہے ہیں۔“

سعدہ نے سرزنش کی۔
”کچھ تو فرحان بے چارے کو اس کی مرضی کا کرنے دیں ای۔“

”اس وقت میرا ذہن اتنا الجھا ہوا ہے کہ کچھ بھی نہیں پڑھ سکتا۔“

عادل نے چاول ڈالتے ہوئے بظاہر سرسری سے لہجے میں کہا لیکن حامد نے لقمہ چباتے چباتے اسے بڑے غور سے دیکھا۔

”خیریت؟ ایسی کیا الجھن ہے؟ کیا آفس کی کوئی پر اہم ہے؟“

”میں تو آپ سب کی تعریفوں کو بیلنس کرتا ہوں۔ اس کی شکل دیکھیں ذرا۔ تعریفیں سن سن کر لال ٹھنڈ ہو رہی ہے۔“

”نہیں۔ شکر ہے فرحان نے سب کچھ ایسے سنبھال لیا ہے کہ کم از کم آفس کی جانب سے مجھے کوئی فکر نہیں ہے۔ میں عادل کی جانب سے کچھ کھٹک گیا ہوں۔“

سب کی نظریں اچانک خود پر مرکوز ہوتے دیکھ کر کومل شرمندہ ہوئی۔

”کھٹک گئے ہیں؟ کیا مطلب؟“

”تم بھی نا فرحان۔“ وہ برتن سینٹے لگی۔
”کومل شروع سے ہی ایسی ہے۔“ عادل نے ایک بھر پور نظر اس پر ڈالی۔

”اسے آئے ایک مہینہ ہو رہا ہے۔ مگر اب تک میں یہ سمجھ نہیں سکا کہ اس کی واپسی کی اصل وجہ کیا ہے؟“

”اپنی تعریف سن کر اس کے کان کی لونبیں تک سرخ ہو جاتی ہیں۔“

”کمل ہے اپنے گھر آنے کے لیے بھی کیا کسی وجہ کی ضرورت ہوتی ہے۔“ وہ براہمان نہیں۔

فرحان ہنستے ہنستے رک گیا، جیسے عادل کی بات سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو۔

”یہ اس کا گھر ہے، وہ اس گھر کا بڑا بیٹا ہے۔ صبح کا بھولا شام کو گھر واپس آیا ہے۔“

حامد مسعود نے دونوں کے چہرے پر باری باری ایک تولتی ہوئی نظر ڈالی اور نئی بات پھیر دی۔

”سعدہ! مانا وہ اس گھر کا بڑا بیٹا ہے۔ مگر ہم فرحان کو نظر انداز نہیں کر سکتے جس نے چھوٹا ہونے کے باوجود بڑے فرائض نبھائے ہیں۔ یہ گھر اب اس کا ہی ہے۔ اس کی فیملی رہتی ہے یہاں۔“

”عادل پھر تم نے کیا سوچا ہے آگے کے بارے میں؟“

”فیملی۔ فرحان کی فیملی ہم سب ہیں آپ ہیں۔ اور عادل بھی۔“ ان کا لہجہ تیز ہوا۔

سعدہ چائے لے کر اندر داخل ہوئیں اور ٹھٹھک کے رکیں، حامد مسعود کے سامنے کتاب کھلی تھی۔ مگر وہ منہمک نہیں بلکہ محو نظر آ رہے تھے اور یہ محویت ظاہر کر رہی تھی کہ وہ کسی گہری سوچ میں ہیں۔

”اور اس کی بیوی، بچی؟“

”کیا ہے؟“

”کیا فرحان نے عادل کے یہاں رہنے پر اعتراض کیا ہے؟“

”نہیں اس نے نہیں کیا حالانکہ اسے۔۔۔ خیر۔۔۔ وہ ہے ایسا۔ اتنی گہرائی میں نہیں سوچتا مگر مجھے لگ رہا ہے کہ عادل کو یہاں رہنے کی اجازت دینے سے پہلے ہمیں فرحان خاص طور پر کومل کے بارے میں ضرور سوچنا چاہیے تھا۔“

”چائے۔“ انہوں نے کپ نیمل پر رکھتے ہوئے

”کچھ کما کمنے؟“ وہ چونکے۔

”میں نے پوچھا ہے کہ کس خیال میں تم ہیں۔“

”آپ بے کار پریشان ہو رہے ہیں۔“

”آپ بے کار بات نہیں ہے سعیدہ! ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ کومل اور عادل کا کیا رشتہ رہ چکا ہے۔“

”میں صرف بیٹے کی محبت میں اس حقیقت سے نظر ڈا رہی ہوں۔ ورنہ ایک عورت کی حیثیت سے اچھی طرح جانتی ہوں کہ کومل اس وقت کن حالات سے گزر رہی ہوگی۔“

”آپ کا وہ ہم ہے۔ وہ فرحان کے ساتھ ماشاء اللہ بہت خوش اور مطمئن ہے۔“

”اللہ کرے وہ خوش ہی رہے۔“

”برامت ماننے کا مگر ایک بات کہوں گی۔“

”کہو۔“ وہ مسکرائے جیسے جانتے تھے سعیدہ کیا کہنے والی ہیں۔

”کومل کو میں نے کبھی آپ کی بھانجی کی حیثیت سے نہیں دیکھا۔ آپا کے گزر جانے کے بعد جب وہ اس گھر میں آئی تب سے لے کر اب تک میں نے اسے بیٹی ہی مانا ہے۔“

”میں جانتا ہوں مجھے تمہاری محبت پہ کوئی شبہ نہیں، میں صرف یہ چاہتا تھا کہ بیٹے کی محبت تم پر اتنا ماری نہ ہو جائے کہ اس سے کسی دوسرے کی حق تلفی پانا انصافی ہو۔“

”یہی بات میں آپ کے لیے کہوں گی کہ کومل کو ہم نے اپنی اولاد کی طرح پالا ہے۔ مگر اس کی محبت کو خود اپنا حاوی نہ کریں کہ ہماری اپنی اولاد کی حق تلفی ہو یا ان کے ساتھ نا انصافی ہو۔ آپ کو صرف کومل کی وجہ سے مائل کا یہاں رہنا منظور نہیں۔ کیا یہ اس کی حق تلفی نہیں ہے اور وہ بھی ان حالات میں جب وہ بری طرح لڑتے کے ہمارے پاس آیا ہے۔ اسے ہمارے ہمارے کی ضرورت ہے اور آپ اسے اکیلا کرنا چاہتے ہیں۔“

”تم غلط سمجھ رہی ہو سعیدہ۔ میں صرف۔۔۔“

”بس بس رہنے دیں۔ یہ چائے پیئیں اور اپنی کتاب پڑھیں اپنے دماغ کو ادھر ادھر بھٹکنے کے لیے نہ چھوڑیں۔“

”اس کے کمرے میں دے آنا بیٹا۔“

”جائے جاتے وہ کہہ گئیں اور کومل بے بسی سے کھولتے پانی کو دیکھتی رہ گئی۔“

”جیسے تیسے اس نے کافی کام تیار کیا اور مرے مرے قدموں کے ساتھ عادل کے کمرے کی جانب بڑھی۔ دل ہی دل میں اس کے وہاں نہ ہونے یا

حامد مسعود نے سر جھٹکا۔ اور بڑبڑائے۔
”کاش تم اور تمہارا بیٹا فرحان بھی اپنا دماغ استعمال کر لیں۔“ اور چائے کا کپ لیوں سے لگا لیا۔

کومل نے بیچ جانے والا سالن ڈونگے میں نکالا۔ فریج میں رکھنے کے بعد کاؤنٹر صاف کیا۔ وہ لائسنس آف کرنے کے بعد نکلنے والی تھی کہ سعیدہ اندر داخل ہوئیں۔ انہوں نے لائسنس دوبارہ آن کیں۔
”کوئی کام ہے ماما؟“
”ایک کپ کافی بنانا تھی۔ تم جاؤ شاباش۔ میں بنالیتی ہوں۔“
”جی نہیں۔ آپ چائے میں بنالیتی ہوں۔“
”ایک کپ کافی ہی تو ہے بیٹا۔“
”وہی تو میں کہہ رہی ہوں کہ ایک کپ کافی ہی تو ہے آپ جائیں اپنے کمرے میں بنانے کے لیے۔“
”اس نے برنر آن کر کے پانی چڑھایا۔“
”میں کہاں پیتی ہوں اتنی رات کو کافی نیند ہی اڑ جاتی ہے۔“
”جی پتہ ہے مجھے۔ میرا کہنے کا مطلب تھا ماموں کے لیے۔“ وہ کافی پھینٹنے لگی۔
”ارے نہیں بیٹا۔ یہ تو عادل نے بنانے کے لیے کہا تھا۔“ کومل کے ہاتھ ایک دم ست پڑ گئے۔
”اب اگر تم نے قسم کھا لی ہے کہ مجھے کسی کام کو ہاتھ نہیں لگانے دینا تو ٹھیک ہے بناؤ۔۔۔“
”وہ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ وہ باہر جانے کے لیے مڑ گئیں۔“
”اس کے کمرے میں دے آنا بیٹا۔“
”جائے جاتے وہ کہہ گئیں اور کومل بے بسی سے کھولتے پانی کو دیکھتی رہ گئی۔“
”جیسے تیسے اس نے کافی کام تیار کیا اور مرے مرے قدموں کے ساتھ عادل کے کمرے کی جانب بڑھی۔ دل ہی دل میں اس کے وہاں نہ ہونے یا

سو جانے کی دعائیں کرتی ہوئی۔

مگر نجانے کیوں اس کی دعائیں قبول نہ ہوئیں۔ ہلکی سی دستک کے بعد کچھ سکڑتو قف کرتے ہوئے اس نے دروازہ کھولا تو نیم تاریکی میں وہ سامنے ہی لیٹا تھا۔ بیڈ پر ایک ایک بھی رکھا تھا۔ جس پر ایک موم بتی روشن تھی کومل آگے بڑھی اور بیڈ سے خاصے فاصلے پر رکھے ٹیبل پر ہی مک رکھ دیا۔

”آپ کی کلفتی۔“ بے گانے سے انداز میں اس نے کہا۔

”پتہ ہے کومل۔ میں تمہارے بارے میں ہی سوچ رہا تھا۔“ وہی بوجھل آواز۔

کومل کے پورے سراپے پر ایک ناگواری چھا گئی۔ ”میرے بارے میں سوچنے کی آپ کو ضرورت نہیں ہے۔“

”سوچیں ضرورت کی نہیں یادوں کی محتاج ہوتی ہیں۔“ وہ اٹھا اور اس کے قریب آیا۔

”آپ کی یادوں پر اس کا راج ہونا چاہیے جس کے ساتھ آپ نے دو سال گزارے۔ اچھے یا برے۔ جیسے بھی تھے۔“

”ہاں۔ مگر میں کیا کروں۔ میری یادوں پر اس کا راج ہے جس کے ساتھ میں نے دو دن بھی نہیں گزارے۔ نہ اچھے۔ نہ برے۔ صرف چند گھنٹے تھے جو ایسا لگتا ہے ساری زندگی پر چھائے ہیں۔“

کومل کا وجود جھٹکوں کی زد میں آگیا۔ جن چند گھنٹوں کا وہ ذکر کر رہا تھا۔ وہ چند گھنٹے کومل کی زندگی کے سب سے تکلیف دہ اذیت ناک گھنٹے تھے۔

”خدا کا واسطہ ہے۔ موت کیا کریں ایسی باتیں۔“ وہ کہہ رہی تھی۔

”میرے اور فرحان کے رشتے کے بارے میں نہیں تو فرحان سے اپنے کوئی کالم نامی کر لیں۔“

”کر رہا ہوں۔ اسی لیے تو آج کی رات اکیلے ہی سو رہا ہوں۔“ اس نے ایک کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

کیا۔

”کسی کو اس میں شریک نہیں کیا مگر قسمت میں ہے لکھا تھا کہ تم بن بلائے آؤ۔ تو تم آگئیں۔ اسے کہتے ہیں۔ جذبے کی جی پکار۔ بھلا تمہارے بغیر میں یہ سیلیبرٹ کیسے کر سکتا تھا۔“

کومل نے آنکھوں میں بھرے انداز میں ایک کو دیکھا۔ ”آج ہماری ویڈنگ اپنی دوسری ہے کومل۔“

کومل ڈنک کھا کے اچھل۔ ”ٹھیک دو سال پہلے آج ہی رات تم میرے اتنے قریب تھیں اتنے قریب تھیں کہ میں۔“

کومل نے نفرت کے زہر سے بھری نظر اس پر ڈالی اور باہر جانے کے لیے دروازہ کھولا مگر عادل نے لپک کے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

”میرا ہاتھ چھوڑیں۔“ ”کیا تمہیں وہ رات یاد نہیں کومل؟“

”میں کہتی ہوں میرا ہاتھ چھوڑیں۔“ ”یاد تو ہوگی کیسے بھول سکتی ہو تم کہتے ہیں عورت اپنی زندگی میں آنے والے پہلے مرد کو بھی نہیں بھولتی۔“

”اور عورت اپنی تذلیل بھی کبھی نہیں بھولتی۔“ اس نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑایا اور باہر نکل گئی۔

”اور مجھ جیسا مرد اپنے منہ کا نوالہ کسی اور کی پلیٹ میں جاتا نہیں دیکھ سکتا۔“ اس نے چھری اٹھائی اور کیک کے ٹکڑے کرنے لگا۔

کومل ایک بار پھر اسی غصے اور طیش کے عالم میں بھر بھر جلتی اپنے کمرے تک آئی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا چلا چلا کے فرحان کو اس کے بھائی کے کمرے کے دروازے پر گراں در آئے ہی وہ ٹھٹھک کے رک گئی۔

فرحان بازو پہ ہاتھ دھرے سو رہا تھا۔ وہ اچانک ست پڑ گئی اور ڈھیلے قدموں کے ساتھ چلتی بیڈ تک آئی۔ فرحان کے پاس بیڈ کے اس نے

فرحان سے اسے دیکھا اور سوچا۔ ”بہن! بے فکر سے کیسے سو سکتے ہو فرحان! رات اس چھت کے نیچے کس عذاب سے گزر رہی ہیں تمہیں اس کا احساس تک نہیں۔“

فرحان نے اس کے بعد وہ اپنی جگہ پر لیٹی اور فرحان کی طرف سے سب خدیں کر کرٹ لے لی۔ بیڈ کے ذرا سا ہی سے فرحان کی آنکھ کھلی جو ابھی ابھی کومل کے

ہاتھ میں لگی تھی۔ جاگی آنکھوں میں حیرت بھرا شکوہ کی نیند سے جاگی آنکھوں میں حیرت بھرا شکوہ

”تم بتانا نہ چاہو تو دوسری بات ہے مگر کچھ نہ کچھ ہے ضرور۔“ صبح سے تم دونوں بدلے بدلے سے لگ رہے ہو۔ ضرور رات کو کچھ ہوا ہوگا۔“

”آپ ایک ہی بات کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں کچھ نہیں ہوا رات کو۔“ وہ حقیقتاً اس جرح سے تنگ آگیا تھا۔

”ہاں ہو سکتا ہے۔ تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔“ عادل فوراً متفق ہو گیا۔ ”ویسے بھی رات کو تو کومل کا موڈ بہت اچھا تھا۔ کافی دیر تک ہم باتیں کرتے رہے۔“

فرحان نے چونک کر عادل کو دیکھا وہ اپنی ہی رو میں کہہ رہا تھا۔ ”تقریباً بارہ ساڑھے بارہ بجے تک تب تک تو بہت اچھا تھا اس کا موڈ۔“

فرحان کا چہرہ پتھر پلا ہو گیا۔ ”ارے ہماری گڑیا اکیلے اکیلے کھیل رہی ہے۔“ سعیدہ نے اس طرف آتے ہوئے کہا اور گڑیا کو اٹھا لیا۔

”اے مجھے دیں امی!“ عادل کی فرمائش پر سعیدہ نے گڑیا اس کی بانہوں میں دے دی۔

”آپ تمہارے پاس ذرا نہیں روتی۔ مانوس ہو گئی ہے تم سے۔“

”جناب ہماری کشش ہی کچھ ایسی ہے۔ یاد دے امی! کومل جب ہمارے گھر آئی تھی تو سب سے پہلے میرے ساتھ ہی مانوس ہوئی تھی۔“

”ہاں سب یاد ہے ابھی کل ہی کی بات لگتی ہے۔“

کریدا۔

”بس۔ یو مہی۔“

”کوئی بات تو ہے تم اس طرح بیٹھتے نہیں ہو۔“

”میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“

”طبیعت یا مزاج؟“ اس نے ٹوہ لیتا جا ہی۔

فرحان چپ رہا اور ریموٹ سے چینل پر چینل بدلتا رہا۔ عادل نے اس کے ہاتھ سے ریموٹ لے کر نی وی آف کر دیا۔

”کومل سے بھی بات نہیں کر رہے۔ کوئی ناراضی ہے؟“

”ایسا کچھ نہیں ہے۔“ وہ بے زاری سے بولا۔

”تم بتانا نہ چاہو تو دوسری بات ہے مگر کچھ نہ کچھ ہے ضرور۔“ صبح سے تم دونوں بدلے بدلے سے لگ رہے ہو۔ ضرور رات کو کچھ ہوا ہوگا۔“

”آپ ایک ہی بات کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں کچھ نہیں ہوا رات کو۔“

وہ حقیقتاً اس جرح سے تنگ آگیا تھا۔

”ہاں ہو سکتا ہے۔ تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔“ عادل فوراً متفق ہو گیا۔

”ویسے بھی رات کو تو کومل کا موڈ بہت اچھا تھا۔ کافی دیر تک ہم باتیں کرتے رہے۔“

فرحان نے چونک کر عادل کو دیکھا وہ اپنی ہی رو میں کہہ رہا تھا۔

”تقریباً بارہ ساڑھے بارہ بجے تک تب تک تو بہت اچھا تھا اس کا موڈ۔“

فرحان کا چہرہ پتھر پلا ہو گیا۔

”یہ بالکل کومل جیسی لگتی ہے۔ ہے نا امی؟“
 ”نہیں، غور سے دیکھو۔ سارے لین نقش فرحان کے ہیں۔“

”ہاں شاید، ناک تو بالکل فرحان جیسی ہے۔“
 وہ جھک کر گڑیا کے ماتھے پہ پیار کرنے لگا۔
 فرحان کو نجانے کیوں عجیب سی بے چینی ہوئی۔
 ”اخبار کہاں رکھا ہے آج کا۔ تمہارے ابو کو چاہیے۔ ہاں یہ رہا۔“ سعیدہ اخبار لے کر اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

عادل بغور پیار بھری نظروں سے گڑیا کو دیکھتا رہا۔
 ”ٹھیک کہہ رہی ہیں امی! یہ تم سے زیادہ ملتی ہے۔ وہی آنکھیں، وہی ہونٹ، وہی ناک، وہی ہاتھ، وہی۔“
 دیکھو بالکل تمہاری جیسی لمبی لمبی انگلیاں ہیں۔“
 فرحان نے نارمل ہوتے ہوئے مسکرائے کی کوشش کی۔
 ”مگر اس کے کاندھے کے نیچے جو بھورا تل ہے وہ بالکل کومل جیسا ہے۔“

فرحان کا دل غمک سے اڑ گیا۔
 ”کیا ہوا؟“ عادل نے اسے اضطراب کے ساتھ کھڑا ہوتے دیکھ کر پوچھا مگر وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے نکل گیا۔

گڑیا کو کل رات سے بخار تھا۔ کومل اور فرحان اسے رات کو یہی ڈاکٹر کے پاس لے گئے تھے لیکن نجانے کیا وجہ تھی کہ دو کا کوئی اثر نہ ہوا تھا۔ بخار اترتا تھا پھر تیز ہو جاتا تھا۔

”اس کا بخار تو کم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا۔“ سعیدہ نے تشویش سے کہا۔

”فرحان سے کہا تو تھا کہ شام کو ڈاکٹر کے پاس پھر لے جاتے ہیں۔“ کومل نے کہا۔

”شام کو؟“ تب تک امی بے حال ہو جائے گی۔“
 ”اس کا ڈاکٹر کلینک میں بیٹھتا ہی شام کو ہے ماما۔“

”تو کیا شہر میں کوئی اور چائلڈ اسپیشلسٹ نہیں ہے؟“

”ہے؟“
 عادل نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا اور گڑیا کو دیکھنے کی نیت سے آگے بڑھا۔

”اوہو۔ بخار تو بہت تیز ہے۔“
 اس نے اپنے لب کومل کی گود میں لیٹی گڑیا کی پیشانی پہ رکھے۔ کومل کو اس کی اس درجہ قربت سے سخت وحشت ہوئی۔ اس نے ناگواری سے رخ دوسری جانب کر لیا پھر بھی عادل گڑیا کے بہانے اس پہ جھکا رہا تو اس نے گھبرا کے اسے بیڈ پہ لٹا دیا۔

”فرحان کب آ رہا ہے؟“
 ”نہیں کیا تھا کومل نے۔ کہہ رہا تھا کہ ایک ضروری میٹنگ سے فارغ ہوتے ہی آفس سے نکل آئے گا۔“
 ”کمال ہے، بچی سے زیادہ ضروری کام کیا ہو سکتا ہے۔ میرا ایک بہت اچھا جاننے والا بڑا مشہور چائلڈ اسپیشلسٹ ہے۔ میں بات کرتا ہوں فرحان سے، وہ وہاں لے جائے۔“

عادل نے جیب سے موبائل نکالا اور نمبر ملائے لگا۔
 ”ہاں فرحان یا راکھاں ہو تم؟ کومل کب سے تمہارا انتظار کر رہی ہے۔ گڑیا کو ڈاکٹر کے پاس نہیں لے کر جانا تمہیں؟“

”جانا ہے مگر کلینک ٹائمنگ چھ بجے شروع ہوتی ہے۔ ابھی پونے تین بجے ہیں۔ میں پانچ بجے تک اپائنٹمنٹ لیتا ہوا گھر آ جاؤں گا۔“

”کمال ہے یار! اتنی دیر۔۔۔“
 ”اسے اپنے ڈاکٹر دوست کے بارے میں بتاؤ۔“

سعیدہ نے یاد دہانی کرائی۔
 ”میرا ایک جاننے والا ہے۔ مسلم ٹاؤن میں چلڈرن کلینک ہے اس کا۔ اچھا خاصا مشہور ڈاکٹر ہے۔“

وہاں لے چلوں۔“
 ”میں آدھے گھنٹے تک پہنچتا ہوں، لے جاتا ہوں۔“

فرحان نے فوراً کام ختم کرنے کا فیصلہ کیا۔
 ”نہیں فرحان! اتنی دیر کرنا مناسب نہیں۔ بچوں کے معاملے میں لاپرواہی نہیں کرنا چاہیے۔“

فرحان نے فوراً کام ختم کرنے کا فیصلہ کیا۔
 ”نہیں فرحان! اتنی دیر کرنا مناسب نہیں۔ بچوں کے معاملے میں لاپرواہی نہیں کرنا چاہیے۔“

فرحان نے فوراً کام ختم کرنے کا فیصلہ کیا۔
 ”نہیں فرحان! اتنی دیر کرنا مناسب نہیں۔ بچوں کے معاملے میں لاپرواہی نہیں کرنا چاہیے۔“

”میں نے کب کہا؟ آ رہا ہوں آدھے پونے گھنٹے تک۔“
 ”دیکھ لو کہیں اس کی طبیعت۔“ عادل فکر مندی سے بولا۔
 ”کوئل سے کہیں تیار رہے، میں جلد پہنچنے کی کوشش کرتا ہوں۔“
 ”ہاں، ظاہر ہے کام بھی تو ضروری ہے۔ اتنا آسان تو نہیں ہے جلدی نکلنا۔“
 فرحان بری طرح چونکا۔
 ”چلو ٹھیک ہے، تم کام نمٹاؤ، میں لے جاتا ہوں ڈاکٹر کے پاس۔“

”میں نے کہا تو ہے میں آ رہا ہوں۔“ وہ جھنجھلا گیا اور پھر قدرے غصے سے کہنے لگا۔ ”آپ کو تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں۔“

”ارے نہیں یار! تکلیف کیسی۔ میں تو فارغ ہی ہوتا ہوں سارا دن۔ میں لے جاتا ہوں۔ اس اوکے۔“ اور اس نے فون کاٹ دیا۔

”فرحان کو شاید زیادہ دیر ہو جائے، وہ کہہ رہا ہے کہ میں گڑیا کو لے جاؤں ڈاکٹر کے پاس۔“

”کوئی بات نہیں، میں انتظار کروں گی۔ گڑیا کو پٹیاں کرتی ہوں ٹھنڈے پانی کی۔“

”حد کرتی ہو کوئل! وہ پتا نہیں کب آئے، یہ ٹوٹے آزماتا چھوڑو اور چلو ڈاکٹر کے پاس۔“

”عادل ٹھیک کہہ رہا ہے بیٹا! ہمیں بخار بگڑ نہ جائے اور فرحان کیا سوچے گا۔ اس نے بھائی سے ایک کام کہا اور وہ بھی اس نے نہ کیا۔“

وہ چپ چاپ گڑیا کو گوڈوں میں اٹھا کے کھڑی ہو گئی۔ عادل فاختانہ سی مسکراہٹ چہرے پہ سجائے گاڑی کی جانب بڑھا۔

”کوئل کو گاڑی میں بیٹھنے کی اجازت ہے یا نہیں؟“ وہ چپ چاپ گڑیا کو گوڈوں میں بھول ہی گئی۔
 ”اوہ۔ گڑیا کا فیڈر لانا تو میں بھول ہی گئی۔“
 وہ چیزی سے اندھلی جھانپ گئی۔ عادل کے سیٹ پہ بڑے اس کے بیگ کو دیکھا۔ اس میں سے کوئل کا سیل فون نکلا۔ اس سے آف کیا اور وہ اندر سے نکل گیا۔

”میں نے کب کہا؟ آ رہا ہوں آدھے پونے گھنٹے تک۔“

”دیکھ لو کہیں اس کی طبیعت۔“ عادل فکر مندی سے بولا۔

”کوئل سے کہیں تیار رہے، میں جلد پہنچنے کی کوشش کرتا ہوں۔“

”ہاں، ظاہر ہے کام بھی تو ضروری ہے۔ اتنا آسان تو نہیں ہے جلدی نکلنا۔“

فرحان بری طرح چونکا۔

”چلو ٹھیک ہے، تم کام نمٹاؤ، میں لے جاتا ہوں ڈاکٹر کے پاس۔“

”میں نے کہا تو ہے میں آ رہا ہوں۔“ وہ جھنجھلا گیا اور پھر قدرے غصے سے کہنے لگا۔ ”آپ کو تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں۔“

”ارے نہیں یار! تکلیف کیسی۔ میں تو فارغ ہی ہوتا ہوں سارا دن۔ میں لے جاتا ہوں۔ اس اوکے۔“ اور اس نے فون کاٹ دیا۔

”فرحان کو شاید زیادہ دیر ہو جائے، وہ کہہ رہا ہے کہ میں گڑیا کو لے جاؤں ڈاکٹر کے پاس۔“

”کوئی بات نہیں، میں انتظار کروں گی۔ گڑیا کو پٹیاں کرتی ہوں ٹھنڈے پانی کی۔“

”حد کرتی ہو کوئل! وہ پتا نہیں کب آئے، یہ ٹوٹے آزماتا چھوڑو اور چلو ڈاکٹر کے پاس۔“

”عادل ٹھیک کہہ رہا ہے بیٹا! ہمیں بخار بگڑ نہ جائے اور فرحان کیا سوچے گا۔ اس نے بھائی سے ایک کام کہا اور وہ بھی اس نے نہ کیا۔“

”میں نے کب کہا؟ آ رہا ہوں آدھے پونے گھنٹے تک۔“

”دیکھ لو کہیں اس کی طبیعت۔“ عادل فکر مندی سے بولا۔

”کوئل سے کہیں تیار رہے، میں جلد پہنچنے کی کوشش کرتا ہوں۔“

”ہاں، ظاہر ہے کام بھی تو ضروری ہے۔ اتنا آسان تو نہیں ہے جلدی نکلنا۔“

فرحان بری طرح چونکا۔

”چلو ٹھیک ہے، تم کام نمٹاؤ، میں لے جاتا ہوں ڈاکٹر کے پاس۔“

”میں نے کہا تو ہے میں آ رہا ہوں۔“ وہ جھنجھلا گیا اور پھر قدرے غصے سے کہنے لگا۔ ”آپ کو تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں۔“

”ارے نہیں یار! تکلیف کیسی۔ میں تو فارغ ہی ہوتا ہوں سارا دن۔ میں لے جاتا ہوں۔ اس اوکے۔“ اور اس نے فون کاٹ دیا۔

”فرحان کو شاید زیادہ دیر ہو جائے، وہ کہہ رہا ہے کہ میں گڑیا کو لے جاؤں ڈاکٹر کے پاس۔“

”کوئی بات نہیں، میں انتظار کروں گی۔ گڑیا کو پٹیاں کرتی ہوں ٹھنڈے پانی کی۔“

”حد کرتی ہو کوئل! وہ پتا نہیں کب آئے، یہ ٹوٹے آزماتا چھوڑو اور چلو ڈاکٹر کے پاس۔“

”عادل ٹھیک کہہ رہا ہے بیٹا! ہمیں بخار بگڑ نہ جائے اور فرحان کیا سوچے گا۔ اس نے بھائی سے ایک کام کہا اور وہ بھی اس نے نہ کیا۔“

”میں نے کب کہا؟ آ رہا ہوں آدھے پونے گھنٹے تک۔“

”دیکھ لو کہیں اس کی طبیعت۔“ عادل فکر مندی سے بولا۔

”کوئل سے کہیں تیار رہے، میں جلد پہنچنے کی کوشش کرتا ہوں۔“

”ہاں، ظاہر ہے کام بھی تو ضروری ہے۔ اتنا آسان تو نہیں ہے جلدی نکلنا۔“

فرحان بری طرح چونکا۔

”چلو ٹھیک ہے، تم کام نمٹاؤ، میں لے جاتا ہوں ڈاکٹر کے پاس۔“

”میں نے کہا تو ہے میں آ رہا ہوں۔“ وہ جھنجھلا گیا اور پھر قدرے غصے سے کہنے لگا۔ ”آپ کو تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں۔“

”ارے نہیں یار! تکلیف کیسی۔ میں تو فارغ ہی ہوتا ہوں سارا دن۔ میں لے جاتا ہوں۔ اس اوکے۔“ اور اس نے فون کاٹ دیا۔

”فرحان کو شاید زیادہ دیر ہو جائے، وہ کہہ رہا ہے کہ میں گڑیا کو لے جاؤں ڈاکٹر کے پاس۔“

”کوئی بات نہیں، میں انتظار کروں گی۔ گڑیا کو پٹیاں کرتی ہوں ٹھنڈے پانی کی۔“

”حد کرتی ہو کوئل! وہ پتا نہیں کب آئے، یہ ٹوٹے آزماتا چھوڑو اور چلو ڈاکٹر کے پاس۔“

”عادل ٹھیک کہہ رہا ہے بیٹا! ہمیں بخار بگڑ نہ جائے اور فرحان کیا سوچے گا۔ اس نے بھائی سے ایک کام کہا اور وہ بھی اس نے نہ کیا۔“

”بات بہت بڑھ گئی ہے اور شاید اس لیے کہ عادل

اسے جان بوجھ کر پھانسا چاہ رہے ہیں۔ میں اب اور چپ نہیں رہوں گی۔ اس شخص کے ساتھ ایک چھت کے نیچے رہنا ناممکن ہے۔

اس نے فیصلہ کن انداز میں سوچا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ فرحان سے باز پرس کرے گی۔ اس سے پوچھے گی کہ اس نے کیسے اپنی بیوی اور بیٹی کی ذمہ داری اپنے بھائی کے سر پہ ڈال دی، کیسے اسے اجازت دے دی کہ وہ اس کے ساتھ من مانی کرتا پھرے مگر ڈاکٹر کے پاس سے آنے کے بعد اس نے فرحان کو اتنا لالعلق دیکھا کہ اس کا غصہ افسوس میں بدل گیا۔

”کیسا شخص ہے یہ۔ غیرت نام کی کوئی چیز بھی اسے چھو کر نہیں گزری۔ اسے صرف اپنا بھائی نظر آ رہا ہے“ اس کے چہرے کے پیچھے وہ شخص نظر نہیں آ رہا جس کے ساتھ اس کی بیوی ایک رات گزار چکی ہے۔ کیا اسے گوارا ہوتا ہے ایسے رشتے میں منسلک رہنے والے اپنے بھائی اور بیوی کو پھرے اکٹھے ہونے کے مواقع دینا۔ کیوں ڈھیل دے رہا ہے یہ عادل کو۔ شاید اپنی لاعلمی اور سادگی کی وجہ سے۔ مجھے فرحان کو سب بتا دینا چاہیے تاکہ اسے اپنے بھائی پہ جو اعتماد ہے وہ اندھا اعتماد ہمارے درمیان دیوار نہ بن جائے۔ اب عادل کو اس گھر سے ہم دونوں کی زندگی سے نکلتا ہی ہوگا۔“

”رکھو فرحان۔“

وہ لان میں بیٹھا سگریٹ پھونک رہا تھا جب عادل کو آتے دیکھ کر اس نے سگریٹ نیچے پھینکا اور اندر کی جانب قدم بڑھائے۔

”تین رات کو یہاں کیا کر رہے ہو؟“

عادل نے اس سوال کا براہ راست جواب نہیں دیا۔ نہ ہی یہ جوابی سوال کہ وہ اس وقت یہاں کیا کر رہا تھا۔

”میرے پاس سوچنے کی ضرورت ہے۔“

”نہیں۔“ فرحان نے اس کی دل جلانے والی

سکراہٹ کا جواب تلخی سے دیا۔ ”تو کیا کومل کے بارے میں؟“ وہ سر انداز سے ایک اور تیر جو شاید نشانے پہ جا بیٹھا اس بار وہ چپ رہا۔

”کومل کے بارے میں سوچ رہے تھے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس سوچ میں میں شامل نہیں تھا۔“

”آپ۔“ فرحان نے تملک کے کچھ کہنا چاہا۔ ”بہت غصہ آ رہا ہے مجھ پہ۔“ ”عادل نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

”اتنا بھی چاہیے مگر اس میں میرا قصور ہے۔ جو ہو رہا ہے اس میں میری کوئی غلطی نہیں۔ غلطی شاید کومل کی بھی نہیں ہے۔ مجھے ایک بار پھر اپنے سامنے دیکھ کر اسے خود پہ اختیار نہیں رہا ہوگا۔“

”آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟“

”میرا دل تو نہیں چاہتا کہ میں اپنے چھوٹے بھائی سے اس قسم کی باتیں کروں مگر اب حالات کچھ اس قسم کے ہو گئے ہیں کہ صاف صاف بات کیے بغیر کوئی چارہ نہیں۔“

”کیسی صاف بات؟“ فرحان کا رواں رواں کھرا ہو گیا۔

”دیکھو مجھے اندازہ نہیں تھا کہ کومل اب تک مجھے بھلا نہیں پائی اور نہ میں یہاں کبھی نہیں آتا۔ اب بھی چاہوں تو گل کا سورج نکلنے سے پہلے یہاں سے چلا جاؤں مگر میرا خیال نہیں کہ اس سے تمہارا کوئی بھلا ہوگا۔ تم سمجھ رہے ہو تا میری بات؟“

فرحان نے فق چہرے کے ساتھ انکار میں گردن ہلائی۔

”دیکھو یار! میں اس گھر سے چلا بھی گیا تو کومل کے دل سے نہیں جاسکتا۔“

”عادل بھائی۔ آپ میری بیوی کے متعلق بات کر رہے ہیں۔“

”کومل ڈاؤن فرحان! بعض باتیں کرنا ضروری ہوتی ہیں۔ چاہے کتنی بھی کڑوی ہوں۔ میں دو سال بعد آیا ہوں۔ کومل مجھے دیکھتے ہی تمہیں بھول گئی۔ میں چلا گیا تو کیا وہ پھر سے تمہاری ہو جائے گی؟ نہیں اس سے بہتر

ہے کہ تم۔“ وہ بات ادھوری مگر مفہوم پورا کہہ گیا۔ فرحان حیرت زدہ انداز میں اسے دیکھتا رہا۔

”میں تم پہ نہ تو کوئی دباؤ ڈال رہا ہوں نہ التجا کر رہا ہوں۔ مجھے کومل میں کوئی دلچسپی نہیں۔ ہوتی تو میں ہلے ہی اسے نہ چھوڑتا۔ نہ تمہاری اس سے شادی کی طاقت کرتا مگر مجھے تمہاری پروا ضرور ہے۔ تم ایک ایسی عورت کے لیے ساری زندگی برباد کر دو گے جو تمہاری کبھی نہیں ہو سکتی۔ جو چیز تمہارے پاس ہو کے تمہاری نہ ہو اس پہ حق جانے کا کیا فائدہ؟“

”آپ۔ آپ جھوٹ کہہ رہے ہیں۔“ اس نے کمزور احتجاج کیا۔

”میں تم سے جھوٹ کیوں بولوں گا۔ تم میرے بھائی ہو اور مجھے بہت عزیز بھی ہو۔ میں جو کہہ رہا ہوں تمہارے بھلے کے لیے کہہ رہا ہوں۔ اس بے معنی رشتے سے اچھا ہے کہ تم۔ اس سے تم بھی خوش رہو گے اور کومل بھی۔“

”نہیں یہ غلط ہے۔“ وہ بے یقینی کے عالم میں ہرٹانے لگا۔

”میں یقین نہیں کر سکتا جب تک کومل یہ بات خود مجھے نہیں بتائے گی۔ میں کبھی بھی یقین نہیں کر سکتا۔“

”وہ کہنا چاہتی ہے مگر رتی ہے۔ اس بات سے کہ تمہیں دکھ نہ ہو۔ اس بات سے کہ رشتوں سے تمہارا اعتبار نہ اٹھ جائے۔ شاید ہمت کر کے کہہ بھی دے۔“

فرحان نے شکستہ انداز میں اسے دیکھا اور سر جھکا لیا۔

”میں نے زندگی میں تمہیں ایسے نہیں جینے دوں گا فرحان! عادل نے کیننگی سے سوچا۔

کومل بے قراری سے کمرے میں شعلتی ہوئی فرحان کا انتظار کر رہی تھی۔ اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ آج ہر ماہ میں فرحان کو عادل کی کمینگیوں اور عیاریوں

سے آگاہ کر کے رہے گی۔ ”میں کب سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں فرحان! کہاں تھے تم؟“ اس کے اندر آنے پہ وہ اس کی جانب لپکی مگر وہ نڈھال انداز میں ہیڈ کے سرے پہ ٹک گیا۔ اس کا سر اب تک جھکا ہوا تھا۔ کانوں میں عادل کی باتیں باز گشت بن کے گونج رہی تھیں۔

”کتنے جھوٹے ہیں عادل بھائی! مگر انہوں نے میرے اور کومل کے درمیان ایسی غلط فہمی کیوں پیدا کرنا چاہی۔“

وہ یہی سوچ رہا تھا جب کومل کی بات پہ چونکا۔ ”مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنا ہے فرحان!“

”ضروری بات؟“

”ہاں میں نے بہت کوشش کی کہ اس کی نوبت نہ آئے مگر میرا خیال ہے اب اسے زیادہ دیر تک چھپانا صحیح نہیں ہے۔“

”کیا بتانا چاہتی ہو تم؟“ اس نے خوف زدہ انداز میں سرگوشی کی۔

”فرحان! میں جو کہنا چاہ رہی ہوں اسے پلیز تحمل سے سننا۔ میں بہت دنوں سے یہ کہنا چاہ رہی تھی مگر ڈرتی تھی۔“

”وہ کہنا چاہتی ہے مگر رتی ہے۔“

عادل نے اس کے کان میں صور پھونکا ”وہ لڑکھڑا گیا۔

”میں نہیں چاہتی تھی کہ تمہیں دکھ ہو۔“

”اس بات سے کہ تمہیں دکھ نہ ہو۔“

عادل کی شیطانیت پھر سے ناچی۔ فرحان کے کان بند ہو گئے۔

”مجھے لگتا تھا یہ بات سن کر رشتوں سے تمہارا اعتبار اٹھ جائے گا۔“

وہ ہچکچاتے ہوئے کہہ رہی تھی اور فرحان کے دل میں عادل کے الفاظ سیسہ بن کے اترتے جا رہے تھے۔

”اس بات سے کہ رشتوں سے تمہارا اعتبار نہ اٹھ جائے۔ شاید ہمت کر کے کہہ بھی دے۔“

”مگر بہت ہمت کے بعد میں نے فیصلہ کیا ہے کہ

میں تمہارے علم میں لے آؤں کہ۔۔۔
سیدہ جم کے اپنی جگہ بنا چکا تھا اس نے ہاتھ کھڑا کر کے اسے کہنے سے روک دیا۔
”بس۔ بس کول۔ تمہیں کچھ بھی کہنے کی ضرورت نہیں۔ میں سب جانتا ہوں۔“
”تم جانتے ہو؟ اس کے باوجود بھی تم۔“ وہ حیرت سے کہنے لگی۔

”میں تمہارے منہ سے سننا چاہتا تھا۔“
وہ دکھ سے چور چور لہجے میں کہہ رہا تھا مگر کول تو صرف یہ جان کے ہی مطمئن ہو گئی کہ اسے اس کڑے مرحلے سے گزرنا نہیں پڑے گا کہ ایک بھائی کو دوسرے بھائی کے نپاک عزائم کے بارے میں بتانا پڑے۔
”تو اب میں مطمئن ہو جاؤں؟“ دونوں بعد وہ کھل کے مسکرائی۔

”ہاں۔ ہو جاؤ۔ وہی ہو گا کول! جو تم چاہتی ہو۔“
”جی؟“ اس کے لہجے میں اتنی خوشی تھی کہ وہ اس کی وجہ محسوس کر کے کٹ کر رہ گیا۔

وہ ہلکی پھلکی ہو چکی تھی۔ اس کے شریک حیات نے اس کی ساری پریشانیوں، ساری فکریں اپنے سر لینے کا وعدہ کیا تھا۔ وہ جانتی تھی بیوی اور بھائی میں سے بیوی کا ساتھ دے کر بھائی کے خلاف کھڑے ہونے کا فیصلہ فرحان کے لیے مشکل مرحلہ تھا۔ شاید اسی لیے وہ الجھن کا شکار تھا لیکن چونکہ وہ جانتی تھی کہ وہی صحیح ہے اور فرحان کو ہر حال میں عادل کی حرکتوں کا سدباب کرنا چاہیے اس لیے اس نے فرحان کی غیر معمولی سنجیدگی اور کھوئے کھوئے انداز کو زیادہ اہمیت نہ دی۔
”یہ تو ہوتا ہی ہے۔“

وہ سر جھٹک کے اپنے معمول کے کاموں میں مصروف تھی۔ اچانک اسے اپنی پشت پر کسی کی نگاہوں کی تپش کا احساس ہوا۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔
حیرت تو وہ عادل ہی تھا جو پہلے کے ورڈز اس کے میں ایسا نہ تھا۔

کول کی پیشانی ان گنت ناگوار شکلوں سے لٹی ہو چکی۔

”مگر آپ کو کچھ چاہیے تو بتادیں اور اپنے کمرے میں جا کر بیٹھیں۔ میں جیٹوا دیتی ہوں۔“ اس نے ناگواری سے کہا۔

”مجھے جو چاہیے اسے کمرے میں آنے میں اب وقت نہیں لگے گا۔“ وہ مسکرایا۔ کول نے ہاتھ میں رکھائے زور سے پٹا۔

”فرحان! جیتو! بھابھو! بہت ٹونا ٹونا سا، بکھرا بکھرا سا۔“ وہ قریب آیا۔

”جب اتنے قریبی رشتوں سے اعتبار ختم ہو جائے تو یہی حالت ہوتی ہے۔ میں اسے یہ دھچکا دیتا نہیں چاہتی تھی مگر آپ نے کوئی اور راستہ نہیں چھوڑا۔“
”یہ تو وقت بتائے گا کول کہ کس نے کس کے لیے کون سا راستہ چھوڑا ہے۔“

”میں کبھی نہیں چاہتی تھی کہ آپ کے ساتھ ایسا کچھ کروں جس سے ماموں اور مائی کو تکلیف ہو مگر مجھے یہ کرنا پڑا۔ مجھے افسوس ہے مگر اب آپ اتنی آزادی سے یہاں دندناتے نہیں پھر سکیں گے۔“

”اچھا۔۔۔“ اس نے طنزیہ ہنکارا بھرا۔

”ہاں! میں نے فرحان کو سب بتا دیا ہے۔“

اس انکشاف کے بعد بھی عادل کی طنزیہ مسکراہٹ جوں کی توں رہی جو کول کو جزبہ کر رہی تھی۔

”کیا بتا دیا ہے۔ مثلاً کیا کچھ؟“

”یعنی۔۔۔ سب کچھ۔“ وہ سٹپٹائے انداز میں کہہ رہی تھی۔ اپنی دانست میں تو اس نے عادل کو خوفزدہ کرنے کی نیت سے وارننگ دی تھی کہ اگر وہ باز آجائے تو وہ بھی فرحان کو اس سے دو ٹوک بات کرنے سے روک دے گی تاکہ گھر میں بد مزگی پیدا نہ ہو مگر وہ بجائے ڈرنے کے اس ساری صورت حال کا مزالے رہا۔

”بائی داوے کول! فرحان آج آفس جانے سے پہلے مجھ سے مل کر گیا تھا اور وہ بھی مجھے کچھ بتا کے گیا ہے۔“

”کیا؟“ وہ چونکی۔

”سب کچھ۔“ اس نے کچھ اور بھی مزا لیا۔
”کہنا کیا چاہتے ہیں آپ؟“
”وہ تمہیں طلاق دینے والا ہے۔“
”کیا بکواس کر رہے ہیں آپ؟“ وہ چلا اٹھی۔
”دو سال پہلے اسی کا فون آیا تھا مجھے۔ ابو کا یہ حکم ملنے کے لیے کہ میں تمہیں طلاق دے دوں اور میں نے دے دی۔ آج وہ حساب برابر کر رہا ہے میرے کہنے سے تمہیں طلاق دے کر۔“

”بکواس کر رہے ہیں آپ۔ جھوٹ بول رہے ہیں۔ فرحان کبھی ایسا نہیں کر سکتا۔ نہیں کر سکتا۔“

وہ ہدائی انداز میں چیخنے لگی۔ اس نے نزدیک رکھے گلاس ہاتھ مار کے نیچے گرا دیے۔ عادل کے لیے اس کا رد عمل خلاف توقع اور شدید تھا۔ وہ کھبرا گیا۔ اس نے فزوس انداز میں ادھر ادھر دیکھا۔ سعیدہ ہاتھ پاؤں پٹلائے بیٹھیں آ رہی تھیں۔

”کیا ہوا۔ کیا شور ہے یہ۔؟“

”مائی۔ دیکھیں۔ بتائیں انہیں۔ فرحان ایسا کر رہی نہیں سکتا۔“ وہ سعیدہ کے گلے لگتی اور بلکنے لگی۔ عادل اپنی جلد بازی اور حماقت سے جی بھر کے خود کو کوسنے لگا۔ وہ منظر سے غائب ہونے کے چکر میں تھا کہ فرحان کی گاڑی کا ہارن ایک نوا تر سے بجنے لگا۔

”ہوا کیا ہے؟ کیا کر ڈالا فرحان نے۔ بتاؤ تو سہی۔“

سعیدہ نے اس کی پشت سہلاتے ہوئے پوچھا۔

”عادل تم ہی کچھ بتاؤ۔“ عادل کھٹکے کو تھا کہ سعیدہ نے روک لیا۔

”کو۔ فرحان آگیا۔ اسی سے پوچھتی ہوں کیوں رلایا تمہیں۔“

”فرحان آگیا۔“ وہ سعیدہ سے الگ ہوتے ہوئے بے تابی سے باہر بھاگی۔ عادل کے پیروں تلے سے زمین کھٹک گئی۔

”کول۔ بات سنو۔“ وہ ہر حال میں اسے روکنا چاہتا تھا مگر وہ فرحان کے سامنے کھڑی تھی۔

”فرحان۔ اسے بتا دو کہ تم ایسا نہیں کر سکتے۔“

فرحان نے ایک نظر کول کے چہرے پہ ڈالی جہاں دکھ اور درد کی ان کہی داستان رقم تھی اور دوسری نظر عادل کے چہرے پہ ڈالی جس کا رنگ فق ہو رہا تھا۔
”یہ کہہ رہا ہے تم مجھے چھوڑ دو گے“ اس کے لیے چھوڑ دو گے۔ بتا دو اسے کہ تم میرے لیے اسے چھوڑنے والے ہو۔“

”کول؟“ حیرت سے وہ اتنا ہی کہہ سکا۔ عادل نظر چڑھا رہا تھا۔

”تم نے رات ہی تو مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ تم اپنے بھائی سے ان تیس دنوں کی اس ساری اذیت کا حساب لو گے جو میں نے اٹھائی۔“

فرحان نے ایک چبھتی نظر عادل پہ ڈالی۔ کیا کچھ نہ تھا اس نظر میں۔

”بس فرحان! میں اب اور برداشت نہیں کر سکتی اس گھر میں یا یہ رہے گا یا میں۔“

”کول! ہوش میں رہو۔“ سعیدہ نے مداخلت کی۔

”وہ اس گھر کا بڑا بیٹا ہے۔ اس گھر پہ جتنا حق تمہارا ہے اتنا ہی عادل کا ہے۔ تم رشتوں کا لحاظ بھی بھول گئی ہو؟ کتنی بد تمیزی سے بات کر رہی ہو۔ پتہ بھی ہے کہ یہ تمہارا بڑا بیٹھ ہے۔“

”میں تو جانتی ہوں مگر اس گھر کے بڑے بیٹے نے یہ بھلا دیا ہے۔ یہ مجھے اپنے چھوٹے بھائی کی بیوی نہیں اپنی چھوڑی ہوئی بیوی سمجھتا ہے۔“

سعیدہ نے سوالیہ نظروں سے عادل کو دیکھا۔

”کیا یہ سچ ہے عادل؟“

حادثہ مسعود نے بہت ضبط کرتے ہوئے سوال کیا۔

”بکواس کر رہی ہے یہ۔“ عادل بازی اٹتے دیکھ کر بوکھلا گیا۔

”یہ خود اب تک فرحان کو قبول نہیں کر پائی اسی نے مجھے اکسایا تھا کہ میں فرحان کو یہ یقین دلاؤں۔“

”جھوٹ مت بولو۔“ کول چلائی۔

”تم ایک ایسے شخص ہو جو اپنے لیے ہر راہ کھلی رکھنا چاہتے ہو۔ تم مجھے چھوڑ کے گئے تو یہ سوچ کر کہ جب بھی واپس آؤ گے تو میں تمہارے دل بھلانے کا

مسلمان بنی تمہیں اس گھر میں نظر آؤں گی مگر ماموں کے دباؤ میں آکر تمہیں مجھے چھوڑنا پڑا۔ مجھ سے دست بردار ہونا پڑا اور جب تم خود کسی کے ٹھکرائے جانے کے بعد لوٹے تو تم سے یہ برداشت نہیں ہوا کہ تمہارا بھائی ایک ایسی خوشحال اور محبت بھری زندگی ہی رہا ہے جو زندگی تمہاری بھی ہو سکتی تھی اسی لیے تم نے اس کی زندگی میں زہر کھولنا شروع کر دیا۔

”یقین کریں ابو۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے“

عادل نے حامد مسعود کو اپنی بے گناہی کا یقین دلانا چاہا مگر ان کا ہاتھ اس کے چہرے پہ اپنا نقش رقم کر گیا۔

”کول فرحان کا بازو کھینچتے ہوئے مت بھرے انداز میں کہہ رہی تھی۔“

”فرحان! تم اب تم سے بتاتے کیوں نہیں کہ یہ ایسا نہیں کر سکتا۔ ایسا کرنے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ تم اسے بتاؤ فرحان کہ تم اس کی باتوں میں کبھی نہیں آسکتے۔ مجھے کبھی غلط نہیں سمجھ سکتے۔“

فرحان سکتے کے عالم میں کھڑا کول کو دیکھ رہا تھا۔ کول نے اسے بری طرح جھنجھوڑا۔

”فرحان۔“

فرحان کے ہاتھ سے فائل نیچے گر کے بکھر گئی۔ کول نے پتھرائی نظروں سے چروں میں پڑے کاغذات کو دیکھا اور نیچے جھک کر ایک کاغذ اٹھالیا۔

”طلاق کے پیپر۔“

کمرے میں ایک سکوت کا سا عالم تھا جیسے سارے نفوس ابھی ابھی کسی بہت اپنے کو دفنا کر آئے ہوں۔ ایک رشتہ تو اس گھر نے ابھی ابھی زندہ لاش کی طرح اس گھر سے نکالا تھا اور وہ سراسر رشتہ ابھی تجیز و تحفین کے طور پر گزرا تھا۔

اس سکوت کو بھی سچی سچیدہ کی سسکی توڑ دیتی تھی۔

کول تب سے اب تک ان ہی پیپر ز کو ہاتھ میں لیے بیٹھتی تھی۔

”کول۔ میری بات سنو۔“ فرحان بہت ہمت کر کے اس کے پاس آیا۔

”بات سنو۔ میں یہ کیوں نہ دیکھوں۔“ اس نے دقت سے کہتے ہوئے ان کاغذات پہ ہاتھ پھیرا۔

”کول۔ مجھے غلط نہیں۔“

”کیسی غلط نہیں۔“ حامد مسعود گرجا۔ ”تمہیں اپنی بیوی پہ اتنا بھی اعتماد نہیں ہے۔“

”میں نے اس پہ شک نہیں کیا تھا۔ میں نے یہ قدم غصے میں بھی نہیں اٹھایا تھا۔ میں نے تو سوچا تھا اگر کول کی خوشی اسی میں ہے تو ایسا ہی سہی۔“

”میری خوشی؟ اتنے دنوں میں تم یہ بھی نہ جان سکے فرحان کہ میری خوشی کیا ہے؟“

”مجھے معاف کرو کول! عادل بھائی کی باتوں نے میری عقل سمجھ بوجھ سب ختم کر کے رکھ دی تھی۔ بس وہ ختم نہ کر سکے تو میری تم سے محبت۔ اسی لیے میں نے یہ پیپر ز تیار ضرور کروائے مگر ان میں کول کیل۔ میں یہ حق تمہیں دینے والا تھا کہ تم آخری فیصلہ کرو۔“

”وہ کہتا تھا۔ تم اس کے کہنے پہ مجھے طلاق دے دو گے۔ میں نے کہا۔ یہ اس کی سب سے بڑی خوش فہمی ہے مگر تم نے مجھے جھوٹا اور اسے سچا ثابت کر دیا۔“

”میں نے کچھ نہیں کیا کول! یہ پیپر ز دیکھو ان کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ رڈی ہیں یہ۔ ہمارے درمیان کچھ ختم نہیں ہوا۔ کسی کے کہنے سے بھی نہیں۔“

وہ اسے پیپر ز کھول کے دکھانے لگا۔

”ہاں شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔“ کول نے اس کے ہاتھ سے پیپر ز لیے اور کھڑی ہو گئی۔

”تم نے واقعی کسی کے کہنے سے مجھے طلاق نہیں دی۔ تم یہ کام صرف میرے کہنے پہ کرو گے۔“

”کول! وہ بے یقینی سے کراہا تھا۔

”بیٹا! غصے دل سے سوچو۔“ حامد بھی پریشان ہو اٹھا۔

”سوچنا کیا ماموں! بس کر گزرتا ہے اب تو جیسے زمانہ نے کر دیا۔ ایک منٹ میں میری وفا اور محبت کو بار کر دیا۔“

”مجھے۔ مجھے ایک موقع تو دو۔ میری غلطی اتنی بڑی نہیں ہے کول! میں نے آخری حد پار نہیں کی۔“

”نہیں فرحان! تمہاری سب سے پہلی اور سب سے بڑی غلطی یہ تھی کہ تم نے اپنے بھائی کو یہاں سے ہٹا دیا کہ میرا اس سے کیا رشتہ رہ چکا ہے۔ تمہیں اپنا بھائی ہونے کا فرض یاد رہا مگر شوہر ہونے کا فرض بھلا دیا۔ تمہاری وجہ سے ہی اس شخص کو اتنا موقع ملا کہ وہ مجھے ذلیل کر سکے۔ میری ذات کو ہلکا کر سکے۔“

”نہیں کول! تمہاری ذات آج بھی میرے لیے اتنی ہی معتبر ہے۔ پھینک دو ان منحوس کاغذات کو! بھول جاؤ یہ سب کچھ۔ میں قسم کھا کے کہتا ہوں کہ مجھے تم پہ خود سے بھی زیادہ اعتبار ہے اور میں دنیا کی کسی بھی چیز سے زیادہ تم سے محبت کرتا ہوں۔“

اس نے کول کے ہاتھ سے ایک بار پھر کاغذات لینے کی کوشش کی مگر اس نے ہاتھ پیچھے کر لیے۔

”جنا ہے فرحان! ایک وقت ایسا آتا ہے جب عورت کو محبت اور اعتماد سے زیادہ تحفظ کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ تم مجھے نہیں دے سکتے۔ تمہارے سامنے۔ تمہارے ہوتے ہوئے ایک شخص دیدہ دلیری سے نہ صرف تمہاری بیوی کو ہراساں کر رہا بلکہ اسے زمانے بھر میں دو کوڑی کا کر کے رکھ دیا۔ تم اتنی آسانی سے اس کا میو بنے رہے۔ نہیں فرحان! اب میں یہ چاہوں گی کہ تم ان کاغذات پہ سائن کرو۔“

”کول بیٹا! حامد مسعود نے مداخلت کرنا چاہی۔

”نہیں ماموں! یہی وہ آخری چیز ہوگی جو میں اس گھر سے لے کر جاؤں گی۔“ سعیدہ برداشت نہ کر سکیں اور اٹھ کے چلی گئیں۔

اس نے کاغذات فرحان کے سامنے رکھے اور قلم اٹھ کر دیا۔

”یہ تم مجھے عادل کے کہنے پہ دیتے تو مجھے گالی کی طرح لگتا مگر میں خود لے رہی ہوں تو اسی میں مجھے اپنی

عزت اور وقار نظر آ رہا ہے۔ اتنی عزت تو دے دو گے مجھے؟“

فرحان نے کانٹے ہاتھوں سے قلم تھاما۔

”نہیں فرحان! رکو کول۔“ سعیدہ کی آواز پہ دونوں نے سامنے دیکھا۔

سعیدہ گڑیا کو گود میں لیے کھڑی تھیں۔

”کول! تم نے کہا کہ یہ طلاق وہ آخری چیز ہوگی جو تم اس گھر سے لے کر جاؤ گی۔ کیا گڑیا کو ہمیں لے کر جاؤ گی؟“

”گڑیا۔“ کول نے بے قرار ہو کے اسے بازوؤں میں بھر لیا۔

”میری گڑیا میرے ساتھ جائے گی۔“ وہ اسے بے تابانہ جوئے لگی۔

”مگر کہاں؟“ سعیدہ کے سوال نے اس پر سکتہ طاری کر دیا۔

”ایک بن باپ کی بچی کو بیٹا چھت کے بھی کرنا چاہتی ہو تم۔“ وہ ڈھکے لگی۔

”میں تو بھول ہی گئی تھی۔ میرا کوئی میکہ نہیں۔“

ماں باپ نہیں جو مجھے پناہ دے سکیں اس لیے۔ اس لیے مجھے اپنی انا اور خودداری کا گلا گھونٹنا چاہیے۔ وقار کو ایک طرف پیٹ کر رکھ دینا چاہیے اور اس شخص کے ساتھ بے غیرتی سے رہنا چاہیے جو مجھے جھٹکے کی طرح کسی کو دان کر رہا تھا۔“

”کیسی اتنا بیٹا۔ کیسی خودداری۔ متا۔ ایسا اگر تم کرو گی تو صرف متا کے لیے۔ کسی ماں کو اتنا بڑا فیصلہ لینے سے پہلے صرف ایک نظر اپنی اولاد کو دیکھ لینا چاہیے۔“ انہوں نے کول کے سر پہ ہاتھ پھیرا اور فرحان کو اشارہ کیا۔ وہ طمانیت بھرا سانس لے کر کاغذات کو چھوئے چھوئے پرزوں میں تقسیم کرنے لگا۔

”کون جانے فرحان۔ تم یہ پرزے ان کاغذوں کے کر رہے ہو یا اس اعتماد کے جو میں نے بار بار بے کون جانے ہم ساتھ ساتھ رہیں گے یا صرف اکتھے؟“

اس نے گڑیا کے ماتھے پہ بوسہ ثبت کرتے ہوئے سوچا تھا۔